اکوڑہ خٹک
الحق

نشاۃ اسلامیہ کا علمبردار علمی و دینی ماہنامہ

ستمبر ۷۸ء

سرپرست
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق مدظلہ

مدیر
سمیع الحق

و

فہرست مضامین

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

ذی قعدہ ۱۳۹۷ھ تا شوال ۱۳۹۸ھ **جلد سیزدہم** ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۷ء تا ستمبر ۱۹۷۸ء

تیرہویں جلد کے مضامین کی یہ فہرست موضوعات کے لحاظ سے ان سلسلہ وار صفحات کے حوالہ سے دی گئی ہے جو ہر صفحہ کے نیچے لکھے ہوئے ہیں۔ یہ فہرست جلد کے آغاز میں لگوا لیجئے۔ (سمیع الحق)

نقش آغاز (اداریہ) ——— سمیع الحق

قرآنیات

دعوات عبدیت حق ——— شیخ الحدیث مولانا عبدالحق

تصوف و سلوک

اسلامی نظام حکومت وخلافت

نصاب ونظام تعلیم، تعلیمی ادارے، علماء و مدارس عربیہ

مذہب اور سائنس

تہذیب مغرب اور اسلام

ردّ فرق باطلہ ۔ قادیانیت، بہائیت، روافض، ذکری فرقہ وغیرہ

تاریخ

شخصیات

عقائد، عبادات، اخلاقیات و معاشرت

فقہ اسلامی

لسانیات — عربی ادب وغیرہ

ادبیات منظوم

احوال و کوائف دارالعلوم

افکار و تاثرات ، متفرقات

کتابوں کی دنیا

تبصرۂ کتب

تبرکات و عکس تبرکات (خطوط)

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

شوال المکرم ۱۳۹۸ھ
ستمبر ۱۹۷۸ء

مدیر: سمیع الحق

جلد نمبر : ۱۳
شمارہ نمبر : ۱۲

اس شمارے میں

بدل اشتراک
پاکستان میں سالانہ ۲۰/- روپے ـــــ فی پرچہ ۲ دو روپے
بیرون ملک سالانہ عام ڈاک سے ۳ پونڈ ـــ ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

ہمیں خوشی ہے کہ پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ اور علمی و دینی حلقوں کے مقتدر ترجمان حضرت مولانا مفتی محمود صاحب قائد جمعیۃ العلماء اسلام نے حکومت کی طرف سے اس مجوزہ شریعت کمیشن کے قیام کی تجویز کو یکلخت مسترد کر دیا ہے جس کے ذریعہ سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کے چند ججوں کو کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا قطعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جا رہا تھا جس کے خلاف کسی عدالت عظمیٰ میں رجوع کا حق بھی نہ ہوتا۔ پھر طرفہ تماشا یہ کہ اسلامی علوم، فقہ اسلامی سے براہ راست واقفیت نہ ہونے اور شریعت غراء کے اساسی فنون اور صلاحیت و شرائط کے مفقود ہونے کے باوجود اس کمیشن کو ایسے مادر پدر آزاد اجتہاد کرنے کا حق بھی دیا گیا تھا جس کے لئے وہ کسی سابقہ فقہی نظیر دلیل یا سند کے پابند بھی نہ ہوتے۔ یہ اجتہاد مطلق اور پھر اس کا کلی حق ایسے لوگوں کو جو صرف انگریزی زبان پر عبور اور موجودہ دور کے غیر اسلامی دساتیر و قوانین میں مہارت کی بناء پر اسلام کی تعبیر و تشریح کو بھی خالص اپنا حق سمجھتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ یہ معاملہ اگر بروقت علم میں نہ آتا اور مولانا مفتی محمود صاحب نے اسے مسترد نہ کیا ہوتا۔؟ تو شاید ایسے کمیشن کے ذریعہ اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ و اجراء کا خواب کبھی پورا نہ ہوتا ولا یفعلہا اللہ۔

بدقسمتی یہ ہے کہ مغربی علوم و افکار میں ڈوبا ہوا ایک طبقہ جو اسلامی نظام کے نفاذ و غلبہ کا کتنا ہی متمنی کیوں نہ ہو مگر وہ اس کے عملی تنفیذ کے کام کو اپنے ہی مغرب زدہ افراد کیلئے الاٹ کرانے میں کوشاں رہتا ہے کہ اس طرح ان کو اپنے من مانی تعبیرات اسلام اور اسلامی معاشرہ کے مزعومہ تصورات کو قائم اور جاری رکھنے کا موقعہ بھی مل سکے گا۔ اور اسلام سے وابستگی بھی قائم رہ سکے گی۔ مگر یاد رکھئے کہ اسلام کی تعبیر و تشریح پر اگرچہ کسی طبقہ کی اجارہ داری نہیں مگر یہ کام دنیا کے دیگر شعبوں اور ذمہ داریوں کی طرح اہل افراد کے ہاتھوں ہی تکمیل تک پہنچ سکتا ہے۔ اسلامی علوم کے مآخذ پر براہ راست گہری دسترس، علوم عربیہ میں ملکہ، اور امت کے علمی مآثر و آثار پر عمیق نظر پھر قرن اول سے اب تک کے نظائر و شواہد اور بنیادی سرچشمے کتاب و سنت اور فقہ اسلامی سے تعلق و ربط اور مزاولہ، یہ سب چیزیں اہلیت کے بنیادی شرائط ہیں اور اس کے بغیر چند انگریزی خوان ججوں کے ایسے فیصلے کبھی قابل قبول نہیں ہو سکتے جو اپنے آپ کو کسی سابقہ نظیر، دلیل اور سنت و حجت کے پابند بھی نہ سمجھیں۔

اسلامی نظام کے نفاذ و اجراء کے لئے ایسے ہی آزمودہ تعویقی اور تاخیری حربے ایک طویل مدت سے استعمال ہوتے رہے ہیں اور اس وقت جب کہ پوری امت ایک ایک لمحہ اُس صبح صادق کے انتظار میں گذار رہی ہے اور پاکستان کی شب دیجور اس نور مستطیر کے لئے بے چین ہے۔ کہ اسلامی نظام کا طلوع ہو، عین ایسے مواقع پر مجوزہ شریعت کمیشن جیسی تجاویز اور منصوبوں کے شوشے چھوڑنا نہ تو کسی سلیم الطبع صحت مند اسلامی ذہن کی ترجمانی کر سکتے ہیں نہ اسے اسلام سے مخلصانہ تعلق کی دلیل سمجھا جا سکتا ہے۔ فی الوقت ہمارے سامنے اسلامی نظام کی طرف تیزی سے بڑھ سکتے ہیں۔ مگر بات عمل کی ہے۔ اگر کوئی قدم اٹھنا ہی نہیں تو کمیشنوں اور کونسلوں کی بیساکھیوں سے کب تک کام چل سکے گا۔ اس وقت خطرات کی تلوار سر پر لٹک رہی ہے۔ مگر ہم سفر راہ کو طویل سے طویل تر بنانے کا سوچ رہے ہیں۔

کابل میں کمیونسٹ انقلاب آیا اور جس بے دردی سے شرافت و انسانیت کا خون بہایا گیا یہ صرف انقلاب کا وقتی اور طبعی تقاضا نہیں تھا، بلکہ انقلابی حکومت کو جس قدر بھی قدم جمانے کا موقعہ مل رہا ہے۔ اتنی ہی تیزی اور شدت سے وہاں کے اسلامی درد سے سرشار مسلمانوں بالخصوص علماء کرام اور طلباء علوم دینیہ اور دینی رجال و اشخاص کو نشانۂ ظلم و استبداد بنایا جا رہا ہے۔ ہزاروں مسلمان جن میں اکثریت علماء کی ہے۔ کابل سے ہجرت کر کر کے آ رہے ہیں اہل دین اور دین کی ایک ایک نشانی مٹانے کا بازار افغانستان میں گرم ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ حکمران طبقہ اپنے روسی اعوان و انصار کے ذریعہ جلد از جلد اس غیور و جسور اسلامی سرزمین سے اسلامی شعائر و مآثر کا ایک ایک نشان مٹانا چاہتی ہے۔ مسلمان جسدِ واحد ہیں ملتِ مسلمہ کو ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کہا گیا ہے۔ پھر کیا عالم اسلام کے حکمران اور عامۃ المسلمین اس کافرانہ انقلاب اور اسلام دشمن مساعی اور سرگرمیوں کو یوں خاموش تماشائی بن کر دیکھتے رہیں گے۔ اور عند اللہ ان کی کوئی مسئولیت نہیں ہوگی۔؟

اس سرخ کفر کے سائے ہمارے ملک پر پڑوسی ہونے کی وجہ سے براہ راست پڑ رہے ہیں اور گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ پھر موقع کو غنیمت سمجھنے والے ابن الوقت اسلام دشمن اور وطن دشمن عناصر اپنی بکھری ہوئی قوتیں یکجا کر رہے ہیں، ایسے حالات میں اس ملک سے محبت رکھنے والے اور یہاں اسلام کا بول بالا کرنے والے تمام افراد اور جماعتوں کا فرض تھا کہ داخلی و خارجی خطرات کے انسداد کے لئے متحد سے متحد تر ہو جاتے مگر افسوس کہ کچھ لوگوں کے ہاتھوں جو اسلام سے وابستگی کے دعویدار بھی ہیں اتحاد کا شیرازہ بکھرتا ہی چلا جا رہا ہے۔ اور فرقہ وارانہ فضا پیدا کرنے کے مذموم مساعی بھی جاری ہیں۔

واویلا، اہل کفر کا جوش و خروش، عزم و عمل اور اہلِ دین کی اس رجعت قہقہری کا کن الفاظ میں ماتم کیا جائے۔

اس وقت حکومت کی اہم ترین ذمہ داری ہے کہ ایک لمحہ تاخیر کے بغیر اس ملک کو بیلائے مقصود اسلام سے ہمکنار کرا کر اس کی سالمیت اور وجود کو بچایا جائے دوسری طرف دین اور اسلام سے تعلق رکھنے والے پاکستانی متنفس کا فریضہ ہے۔ کہ موجودہ عبوری سول حکومت کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے اور اسے اپنے اسلامی، قومی و ملی اقدامات و اصلاحات نافذ کرنے کا موقع دے اس کے ساتھ ہی افغانستان کے حالات پر ہر لمحہ گہری نظر رہنی چاہیئے۔ مظلوم اہلِ افغانستان کے حدود و تعاون اور حتی الامکان غیر اسلامی اقدامات کے انسداد و تدارک کا سوچنا بھی یہاں کے علماء، حکام اور عام مسلمانوں کا ملی فریضہ ہے۔ ہم افغانستان کو آزاد خود مختار اور خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ پھلتا پھولتا رہے، مگر اسلامی تشخص کے ساتھ۔ کابل و ہرات کو اگر تاشقند و سمرقند بنایا گیا تو اسلامی اخوت کا عالمگیر اور ہمہ گیر رشتہ ایک لمحہ بھی اس کا ساتھ نہیں دے سکے گا۔

ہمیشہ کیطرح اس دفعہ بھی عیدالفطر کے موقع پر مرکزی رویت ہلال کمیٹی نے جس مجرمانہ غفلت کو اپنا شعار بنائے رکھا اور اسی کمیٹی کی بدولت ملک میں عید کی تقریب انتشار میں بدل گئی اس پر تفصیل سے اظہار خیال کو سعی لاحاصل سمجھتے ہوئے ہم صرف اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خدارا اس کھڑاگ کو اب ختم ہی کر دیجئے۔ اور عام مسلمانوں کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیجئے کہ وہ رویت ہلال، رمضان و عید کے موقع پر اپنی دینی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ کہا جا رہا ہے کہ یہ کمیٹی عید و رمضان میں وحدت کا ذریعہ رہی ہے۔ مگر میرا دعویٰ ہے کہ کمیٹی کی تشکیل سے لیکر اب تک کبھی بھی پاکستان میں ایک ہی دن میں نہ عید ہوئی نہ روزہ رکھا گیا۔ لہٰذا کمیٹی کو ختم کر کے اس پر ہونے والے کثیر اخراجات کو کسی اور اہم مصرف میں لگانا چاہیئے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

مولانا عبدالشکور صاحب ترمذی
ساہی وال ۔ ضلع سرگودھا

سنریھم ایاتنا فی الافاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق (قرآن مجید)

ترجمہ:۔ ہم ان کو اپنی نشانیاں دکھائیں گے۔ آفاق میں، اور خود ان کے وجود میں، یہاں تک کہ یہ بات ان پر کھل جائے گی کہ یہ (اللہ کا دین) حق ہے۔

تمہیدی گذارش

پچھلے دنوں امریکہ اور روس کے سائنسدانوں نے چاند تک پہنچنے کے لئے جو خلائی جہازوں کی روانگی اور خلائی پروازوں کا سلسلہ شروع کیا اور یہاں تک اطلاعات موصول ہوئیں کہ امریکہ نے اپالو یازدہم کے ذریعہ تین مسافروں کو چاند پر اتار دیا۔

دورِ حاضر کی اس خلائی پرواز اور حیرت انگیز سائنسی کارنامہ کی خبروں سے حیرت زدہ ہو کر عام طور پر ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے اور بعض لوگوں کی زبانوں پر آ ہی گیا ہے کہ اس خلائی پرواز اور چاند تک رسائی کے بارہ میں اسلام کا نظریہ کیا ہے؟ اسلامی نظریہ کی رو سے آیا کسی انسان کے لئے یہ خلائی پرواز ممکن ہے اور کوئی شخص چاند ستاروں تک پہنچ بھی سکتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کے حل کے لئے حضرات علماء کرام کی تحریرات منظر عام پر آ رہی ہیں جن میں اس خلائی پرواز کا اسلام کے نظریہ کی رو سے امکان ثابت کر کے یہ بتا دیا گیا ہے کہ اس قسم کے جدید انکشافات کے ساتھ اسلامی حقائق کا بالکل تصادم نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرآن مجید کے معانی اور مطالب کو سائنسی ایجادات کو منطبق کر دیا گیا ہے یا ان ایجادات ہی کو تفسیر قرآن کی بنیاد بنا لیا گیا ہے زیر نظر مضمون اسی مطلب کی وضاحت کے لئے حضرت مولانا مفتی

ف تسخیر خلا کے لفظ سے چونکہ یہ وہم ہوتا ہے کہ خلائی سیاروں چاند وغیرہ کو انسان نے مسخر اور تابع کر لیا ہے۔ حالانکہ یہ تمام چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع اور انہی کے زیر فرمان ہیں اور ان چیزوں تک انسان کی رسائی اور پرواز سے ان پر انسان کا تسلط اور ان چیزوں کا تابع ہونا ثابت نہیں ہوتا اس لئے تسخیر خلا کے بجائے خلائی پرواز کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم کی تفسیر معارف القرآن کے اقتباسات اور بعض دوسری تحریرات کی روشنی میں خاص کر ترتیب کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو شکوک و شبہات کا واضح اور اوہام کا رافع بنائے اور سب مسلمانوں کو اس سے منتفع ہونے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین

دو رائیں سیدھے سادے بعض مسلمانوں کی رائے تو یہ ہے کہ چاند اور ستاروں تک پہنچنے کی یہ تمام کوششیں اسلام، قرآن اور سنت کے خلاف ہیں۔ اور ایسا ہونا ناممکن ہے اس لئے ایسی تمام خبریں جھوٹ اور مغالطہ پر مبنی ہیں۔ ان پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔

دوسری طرف مسلمانوں کا وہ گروہ ہے جو سائنسی ترقیات سے اس قدر مرعوب ہے کہ وہ ہر بات پر یقین کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے جس کو سائنسی تحقیق کے نام پر پیش کر دیا گیا ہو۔ خواہ وہ اسلام اور قرآن و سنت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

یہ گروہ نئے نئے انکشافات اور جدید ایجادات سے اس قدر متاثر ہے کہ گویا اس کے نزدیک ستاروں پر راکٹ پھینکنے اور مصنوعی سیاروں کے ایجاد کرنے سے زیادہ ضروری اور قابل تقلید دوسرا کوئی کام ہی نہیں ہے۔ یہ گروہ اپنے ہر مسئلہ کا حل سائنسی تحقیقات کی روشنی میں تلاش کرنے کو ضروری سمجھتا ہے۔ یہاں تک کہ قرآن کریم کی تفسیر کے بارہ میں بھی اس کی یہی رائے ہے۔ کہ قرآن کریم کے مطالب کو انہی سائنسی تحقیقات اور ایجادات پر منطبق کرنا چاہئے کیونکہ اس گروہ کے نزدیک ان ایجادات اور مصنوعات سے ہی قرآن کریم کا مقصد اور تقاضہ پورا ہوتا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ دونوں رائیں اور انداز فکر درست اور ٹھیک نہیں ہیں۔ مگر دوسرے گروہ کی مرعوبانہ ذہنیت سے پیدا ہونے والے نتائج اسلامی نقطۂ نظر سے زیادہ خطرناک اور قابل اصلاح ہیں اس لئے کہ ان تیرہ۔ چودہ سو سال کے بعد ہونے والی ایجادات پر تفسیر قرآن کی بنا رکھنے اور ان ایجادات کو مقصد اور تقاضہ، قرآن کریم قرار دینے کا مطلب تو یہ ہوا کہ قرآن کریم کے نازل ہونے کے وقت سے اب تک کسی نے بھی قرآن کے مقصد اور تقاضا کو پورا نہیں کیا تھا۔ اب امریکہ اور روس کے سائنس دانوں کی توجہ اور سعی کی بدولت قرآن کریم کا یہ مقصد اور تقاضہ پورا ہوا ہے۔ اس سے صحابہ کرامؓ اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورتماً ...... مسلمہ پر کس قدر سنگین الزام عائد ہوتا ہے۔ وہ ظاہر ہے۔

جو لوگ ان ایجادات کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں اور وہ یوں اظہار تاسف کیا کرتے ہیں کہ یہ ایجادات کی مدح سرائی میں رطب اللسان ہیں اور وہ یوں اظہار تاسف کیا کرتے ہیں۔ کہ یہ ایجادات مسلمانوں کے کرنے کا کام تھا۔ مگر افسوس ہے کہ دوسری اقوام عالم ان سے سبقت لے گئیں۔ وہ بھی غور فرمائیں کہ ان کے اعتراض کی زد کس کس پر پڑتی ہے اور اس الزام کا مورد کون حضرات ٹھہرتے ہیں کیا اسلام کی تقریباً چودہ صدیوں

میں امت مسلمہ میں سے قرآن کریم کے مقصد اور تقاضہ کو کسی نے بھی پورا نہیں کیا؟

حقیقت حال یہ ہے کہ اسلام، اس قسم کی خلائی پروازوں کی نہ تو نفی ہی کرتا ہے اور نہ اس کا اثبات ہی کرتا ہے قرآن و سنت میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ کوئی انسان چاند یا مریخ تک نہیں پہنچ سکتا۔

اب اگر معتبر طریقہ سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ کوئی شخص خلائی پرواز کے ذریعہ چاند یا مریخ تک پہنچ گیا ہے تو یہ بات قرآن و سنت کے کسی طرح بھی خلاف نہیں ہے۔ بلکہ قرآن مجید کی مندرجہ الصدر اس آیت سے جس میں انفس نشانیوں کے ساتھ آفاقی نشانیوں کے دکھانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس قسم کے عجائبات کے دکھائے جانے کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر کبیر کا حوالہ

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کبیر میں نقل فرماتے ہیں کہ آفاق کی نشانیوں سے مراد آسمان اور چاند ستاروں اور عالم عناصر اربعہ کے عجائب ہیں۔ اور آیت میں جو کہا گیا ہے کہ "اپنی نشانیاں دکھائیں گے" اس کے بارہ میں امام رازیؒ فرماتے ہیں:۔

"اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء میں جو عجائبات رکھے ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں ہے لہذا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ہر دور میں نئے عجائبات دکھاتا رہے گا۔" (تفسیر کبیر ج، صہ ۳۸۴)

غرضیکہ اس خلائی پرواز کا قرآن و سنت سے نہ تو کوئی تصادم ہے جیسا کہ عوام کا خیال ہے۔ اور نہ ہی قرآن کریم کا تقاضہ ہے کہ اس کے بغیر مقصد قرآن ہی پورا نہ ہوتا ہو جیسا کہ دوسرے گروہ نے سمجھا ہوا ہے۔

سائنسی تجربات اور تحقیقات میں جب تک کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کا تصادم اسلام کے مسلمہ حقائق سے ہوتا ہو گو اس کو قرآن و سنت کے مقاصد اور تقاضوں میں شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ اسلامی تعلیمات کی حدود میں رہتے ہوئے اس کو قبول کیا جائے گا۔ اسلامی نظریہ کی رو سے چونکہ خلائی پرواز کی ایسی کوئی حد معین نہیں کی گئی کہ جس سے آگے پرواز کی نفی اسلامی نظریہ کی رو سے نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس سے کسی مسلمہ اسلامی نظریہ کی نفی نہیں ہوتی۔

آسمانوں کا وجود ناقابل انکار حقیقت ہے

البتہ اس کی خلائی پرواز اور سائنسی تحقیقات سے یہ نتیجہ اخذ کرکے کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں ہے۔ آسمانوں کے وجود کا انکار کر دینا اسلامی نظریہ کے خلاف اور غلط ہوگا۔

قرآن و سنت کی تصریحات کے موافق اسلام نے آسمانوں کے وجود کو ایک حقیقت ثابتہ کے طور پر تسلیم کیا ہے آسمانوں کا وجود ان کا متعدد اور ذی جرم ہونا، ان میں دروازوں اور گذرگاہوں کا پایا جانا وغیرہ ایسے امور ہیں جن کا قرآن و سنت میں صاف اور صریح الفاظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ چاند یا مریخ وغیرہ کسی بھی سیارہ تک رسائی ہو جانے سے ان ثابت شدہ اسلامی حقیقتوں کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ کائنات کی وسیع اور بے شمار چیزوں میں

سے چند جو ... کے انکشافات و ادراک سے یہ حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ انسانی تجسس اور تلاش سے کوئی چیز باہر نہیں رہی اور کائنات کی ہر چیز کو انسان نے دریافت کر لیا ہے کیونکہ اس امر کا سائنسدانوں کو خود بھی اعتراف ہے کہ دور دراز سیاروں سے آگے ایک لامحدود خلا ہے جس کو پاٹنے کا کوئی امکان نہیں "

پھر اب ایک چاند تو کیا تمام سیاروں تک رسائی ہو جانے کے بعد بھی بالفرض اگر ہو جائے۔ کسی اسلامی تحقیق اور آسمانوں کے وجود کا انکار کر دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ اور ایک ناقص پرواز اور محدود تجربہ کی بنیاد پر آسمانوں کے وجود کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔

درحقیقت سائنس کے اسی غلط استعمال نے اس کو اسلام سے ٹکرا دیا ہے اور یہی وہ مقام ہے جس جگہ سائنس اور اسلام کا تصادم نظر آتا ہے۔ ورنہ سائنس اور اسلام کے ٹکراؤ کی کوئی صورت ہی ممکن نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں کے حدود اختیار الگ الگ اور دائرہ کار جدا جدا ہیں۔

سائنس اور اسلام کا مقصد

سائنس کا مقصد اگر عناصر اربعہ کے باہمی تحلیل و ترکیب اور عناصر علوی و سفلی کے باہمی ربط و تعلق سے پردہ ہٹا کر انسان کے لئے ان سے استفادہ کرنے کی نئی نئی راہیں نکالنا ہے تو ایک حد تک اور صحیح مذہب اسلام کے کسی اور پہلو پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ مذہب کا براہ راست تعلق ایک دوسرے عالم سے ہے جو اس کائنات کے آغاز و انجام کی گتھیاں سلجھاتا اور ہدایت و صلاح کے طریقے سمجھاتا ہے اور اس پوری کائنات کا مقصد تخلیق بتاتا ہے۔

دو قدیم فلسفی نظریئے

فلکیات اور ستاروں، سیاروں کی حرکات کے متعلق بحث و تحقیق کوئی نیا فن نہیں ہزاروں سال پہلے سے ان مسائل پر تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی پانچ سو سال پہلے اس فن کا معلم فیثا غورث یوطالیہ کے مدرسہ کروتونا میں باقاعدہ اس کی تعلیم دیتا رہا ہے اس کا نظریہ یہ تھا کہ زمین اپنے مرکز و محور پر مغرب سے مشرق کی طرف حرکت کرتی ہے۔ اور آفتاب و چاند وغیرہ کا طلوع جو مشرق کی طرف سے دیکھا جاتا ہے یہ زمین کی اپنی حرکت کی وجہ سے ہے اسی پر دن رات کا اور مہینوں کے شروع اور ختم کا مدار ہے۔ یہ حرکات فلک الافلاک کے تابع نہیں ہیں۔

اس کے بعد میلاد مسیح علیہ السلام سے تقریباً ایک سو چالیس سال پہلے بطلیموس رومی کا دور آیا۔ اسی زمانہ میں ایک دوسرے فلاسفر ہیرو حوس کی شہرت ہوئی جس نے زاویئے ناپنے کے آلات ایجاد کئے۔ ان دونوں کا نظریہ فلکیات اور ستاروں کی حرکات کے متعلق یہ قائم ہوا کہ زمین اپنی جگہ ساکن ہے اور آفتاب اور تمام چاند تارے آسمانوں میں پیوست ہیں۔ فلک الافلاک کی حرکت کے تابع زمین کے گرد حرکت کرتے ہیں ایسی حرکت فلک الافلاک سے چاند تاروں کا طلوع و غروب وابستہ اور دن رات اور مہینوں سالوں کا شروع و ختم متعلق ہے۔ چوتھی صدی ہجری اسلامی کے اوائل میں

فلاسفر فارابی نے جب یونانی فلسفہ کا عربی زبان میں ترجمہ کیا تو اس وقت یہی بطلیموس نظریہ دنیا پر چھایا ہوا تھا۔ اسی کی بنیاد پر تمام کتابیں لکھی گئیں۔ اس کے بعد ابن سینا نے مزید اس کی تائید میں کتابیں لکھیں۔ اور مسلمانوں میں فلسفہ اور ہیئت کے رواج کے ساتھ ہی بطلیموس کا نظریہ پھیل گیا۔ اگرچہ اسلامی کتابوں میں فیثا غورثی نظریہ کو بھی چھوڑا نہیں گیا اس کا ذکر بھی تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مواقف اور شرح مواقف میں تفصیل موجود ہے۔ مگر عام فلسفہ اور ہیئت کی کتابوں نے بطلیموس کے نظریہ پر ہی بنیاد رکھی ہے اور وہی مسلمانوں میں رائج ہو گیا۔ (معارف القرآن)

چونکہ عرصہ تک مسلمانوں میں زیادہ تر اسی نظریہ کا غلغلہ رہا۔ یہاں تک کہ بعض مفسرین نے قرآنی آیات کو بھی اسی نظریے سے دیکھنا شروع کیا۔ کہ چاند اور ستارے آسمانوں کے اوپر یا ان کے اندر انگوٹھی میں نگینے اور تختی میں میخ کی مانند جڑے ہوئے ہیں اور چاند اور سورج نیز دیگر سیاروں کا تعلق خاص خاص آسمانوں کے ساتھ ہے"

ادھر قرآن و سنت کی واضح تصریحات کے مطابق یہ بات ثابت ہے کہ آسمانوں میں دروازے ہیں۔ ان پر فرشتوں کا پہرہ مسلط ہے اور دروازے خاص خاص حالات میں ہی کھولے جاتے ہیں اس لئے آسمانوں میں ہر شخص کا داخلہ جب وہ چاہے نہیں کھل سکتا۔

اس بطلیموسی نظریہ کی شہرت کی وجہ سے چاند ستاروں تک پہنچنے کی کوشش اور سعی کو اسلام کے نظریہ کے خلاف تصور کیا جاتا ہے کیونکہ اجازت خداوندی کے بغیر راکٹوں اور ہوائی جہازوں کا اندر داخل کیسے ہو سکتا ہے۔ لیکن آج کل کے خلائی تجربات نے جب یہ ثابت کر دیا کہ ان سیارات تک پہنچا جا سکتا ہے۔ تو اس سے بطلیموسی نظریہ کی غلطی ثابت ہو کر فیثا غورثی نظریہ کی تائید ہو گئی کہ چاند ستارے آسمانوں میں جڑے ہوئے اور پیوست نہیں ہیں۔

قرآنی فیصلہ اس بارہ میں کوئی قطعی فیصلہ قرآن کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ کہ قرآن کریم نے ستاروں اور سیاروں کو آسمان کے اندر قرار دیا ہے یا ان سے باہر فضائے آسمانی میں بلکہ الفاظ قرآن کی رو سے دونوں صورتیں ممکن ہیں۔ کائنات کی تحقیقات اور تجربے اور مشاہدے سے جو صورت بھی ثابت ہو جائے قرآن کی کوئی تصریح اس کے خلاف نہیں رہے۔

حق بات یہ ہے حق بات یہ ہے کہ جس طرح یہ خیال نہایت غلط ہے کہ خلاء کے مسافروں۔ چاند اور سیاروں پر رسائی حاصل کرنے والوں نے آسمانوں پر فتح پا لی ہے اسی طرح چاند سیاروں تک پہنچنے کی کوشش اور سعی کو ناممکن کہنا اور اس لئے چاند سیاروں تک رسائی کا انکار کر دینا کہ ان چیزوں تک رسائی آسمانوں سے گزرنے اور ان پر فتح حاصل کئے بغیر ناممکن ہے بطلیموسی نظریہ پر مبنی غلط تصور ہے۔

اسلام نے یہ کہیں نہیں کہا کہ چاند، سورج اور ستارے فلاں فلاں آسمانوں کے اندر ہیں۔ اگر اسلام نے یہ بتایا ہوتا کہ چاند سورج اور ستارے آسمانوں کے اندر ہیں اور ان تک رسائی کے لئے آسمانوں سے گزرنے اور

ایوان کو پار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو اس وقت یہ اشکال درست ہوتا کہ خلائی پرواز کے ذریعہ چاند ستاروں تک پہنچنے والے بغیر اجازت خداوندی آسمانوں کے اندر کیسے داخل ہو گئے۔ مگر یہ خیال ہی غلط ہے کہ چاند ستاروں تک پہنچنے کے لئے آسمانوں سے گزرنا پڑتا ہے۔

اس لئے چاند ستارے اور کسی بھی سیارے تک رسائی کے بعد یہ دعویٰ کرنا کہ آسمانوں کا وجود ہی نہیں ہے علم و فہم اور عقل و خرد کی تضحیک اور رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

رفع اشتباہ جعلنا فی السماء بروجا کے الفاظ سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ بروج یعنی ستارے آسمانوں کے اندر ہیں کیونکہ حرف فی ظرفیت کے لئے مستعمل ہوتا ہے اسی طرح سورۂ نوح میں ہے الم تر کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا وجعل القمر فیھن نورا وجعل الشمس سراجا اس میں فیھن کی ضمیر سبع السموات کی طرف راجع ہے۔ جس سے بظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ چاند آسمانوں کے اندر ہے لیکن یہاں دو باتیں قابل غور ہیں اول تو یہ کہ قرآن کریم میں لفظ سماء جس طرح اس عظیم الشان اور وہم و گمان سے زائد وسعت رکھنے والی مخلوق کے لئے استعمال ہوتا ہے جس میں قرآن کی تصریحات کے مطابق دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کے پہرے ہیں خاص خاص اوقات میں کھولے جاتے ہیں۔ اور جن کی تعداد قرآن نے سات بتائی ہے۔ اسی طرح یہ لفظ سماء ہر بلند چیز جو آسمان کی طرف ہو اس پر بھی بولا جاتا ہے۔

آسمان و زمین کے درمیان کی فضا اور اس سے آگے جس کو آج کل کی اصطلاح میں خلا بولتے ہیں یہ سب دوسرے معنی کے اعتبار سے لفظ سماء کے مفہوم میں داخل ہیں وانزلنا من المعصرات ماء طھورا اور اسی طرح کی دوسری آیتیں جن میں آسمانوں سے پانی برسانے کا ذکر ہے ان کو اکثر مفسرین نے اسی دوسرے معنی پر محمول فرمایا ہے۔ کیونکہ عام مشاہدات سے بھی یہی بات ثابت ہے کہ بارش ان بادلوں سے برستی ہے جو آسمانوں کی بلندی سے کوئی نسبت نہیں رکھتے اور خود قرآن کریم نے بھی دوسری آیات میں بادلوں سے پانی برسانے کی تصریح فرمائی ہے۔ ارشاد ہے ءانتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون اس میں مزن مزنۃ کی جمع ہے جس کے معنی سفید بادلوں کے آتے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ "کیا بارش کو سفید بادلوں سے تم نے اتارا ہے یا ہم نے"

دوسری جگہ ارشاد ہے وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا اس میں معصرات کے معنی پانی بھرے ہوئے بادل ہیں اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ "ہم نے ہی پانی بھرے بادلوں سے کثرت سے پانی برسایا ہے" قرآن مجید کی ان واضح تصریحات اور عام مشاہدات کی بنا پر جن آیات قرآنی میں بارش کا آسمان سے برسانا مذکور ہے ان میں بھی اکثر مفسرین نے لفظ سماء کے یہی دوسرے معنی لئے ہیں یعنی فضا آسمانی (معارف القرآن)

"جب قرآن کریم اور لغت کی تصریحات کے مطابق لفظ سماء فضا آسمانی کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور خود جرم

آسمان کے سٹے بھی ۔ تو ایسی صورت میں جن آیات میں کواکب اور سیارات کے لئے فی السماء کا لفظ استعمال ہوا ہے ان کے مفہوم میں دونوں احتمال موجود ہیں۔ کہ یہ کواکب اور ستارے جرم آسمانی کے اندر ہوں۔ یا فضا آسمانی میں آسمانوں کے نیچے ہوں ۔"

آج کل جب کہ خلائی تجربات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان سیارات تک پہنچا جا سکتا ہے۔ تو اس سے یقیناً غور ثی نظریہ کی تائید ہو گئی۔ کہ ستارے آسمانوں میں پیوست نہیں کیونکہ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی تصریحات کی رو سے آسمان ایک ایسا حصار ہے جس میں دروازے ہیں اور دروازوں پر فرشتوں کا پہرہ ہے ان میں ہر شخص داخل نہیں ہو سکتا ۔"
(معارف القرآن)

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی ارقام فرماتے ہیں۔ و لم یقم دلیل علی ان شیئا من الکواکب مغروز فی شی من فی السموٰت کالفص فی الخاتم والمسمار فی اللوح " اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ کوئی ستارہ بھی آسمان میں ایسا جڑا ہوا ہے جیسے انگوٹھی میں ہیرا یا تختی میں میخ۔

حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ وجعل فیھا سراجاً وقمراً منیرا کے تحت تحریر فرماتے ہیں " ظاہراً فیھا سے ان کواکب کا آسمان کے اندر مرکوز ہونا معلوم ہوتا ہے لیکن اگر ظاہر کے خلاف کسی دلیل قطعی سے ثابت ہو جائے تو فیھا کو فی قربھا کے ساتھ مول کرنا ممکن ہے (بیان القرآن ج ۸ ص ۵۶)

اور کل فی فلک یسبحون کے ذیل میں ارشاد فرماتے ہیں " فلک گول چیز کو کہتے ہیں چونکہ شمس و قمر کی حرکت مستدیر ہے اس لئے اس کے مدار کو فلک فرما دیا۔ خواہ وہ آسمان ہو یا فضا بین السمائین یا فضا بین الارض والسماء ہو یا ثخن سماء ہو کوئی نص اس میں قطعی نہیں الخ (بیان القرآن ج ۷ ص ۴۵)

حضرت تھانویؒ کی عبارات کا خلاصہ مطلب بھی یہی ہے کہ قرآن کریم نے اس بارہ میں کوئی واضح فیصلہ نہیں دیا کہ کواکب آسمان کے اندر ہیں یا باہر ہیں۔ بلکہ دونوں احتمال ہیں۔ اس لئے جس جس جگہ قرآن مجید میں کواکب کے بارے میں فی السماء اور فیھا (آسمانوں کے اندر ہیں) آیا ہے۔ اس کی تاویل فی قربھا (آسمانوں کے قرب میں ہیں) کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ یعنی ان آیات میں السماء سے اگرچہ جرم آسمان مراد ہے مگر فی السماء میں فی کی ظرفیت حقیقی نہیں جس سے کواکب کا آسمانوں کے اندر جڑا ہوا ہونا لازم آتا ہے بلکہ ادنیٰ ملابست اور تلبس کی وجہ سے فی کی ظرفیت مجازی ہے۔ کہ فضا بین السماء والارض معلق کواکب کو بھی فی السماء فرما دیا گیا ہے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کو دور جدید کے نئے انکشافات سے متاثر اور سائنسی ترقیات سے مرعوب ہو کر کہا جا رہا ہو بلکہ عصر حاضر کی موجودہ تحقیقات سے بہت عرصہ قبل صحابہؓ اور تابعینؒ حضرت عبداللہ بن عباسؓ جیسے خیر الامت صحابی اور عطا بن ابی رباح جیسے ثقہ تابعی کے اقوال در روایات میں یہ تصریح پائی جاتی ہے کہ نظام فلکی کے تمام سیارے شمس و قمر، زہرہ

عطارد سمیت آسمانوں کے نیچے لٹکے ہوئے فانوسوں کی مانند ہیں۔ عبداللہ بن عباس کا ارشاد ہے۔ "النجوم قنادیل معلقة بین السماء والارض" ستارے لٹکے ہوئے فانوس ہیں آسمانوں اور زمین کے درمیان۔

ان روایات اور مذکورہ مشاہدے اور تجربہ کی بناء پر آیت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا جائے گا کہ کواکب کو فضائے آسمانی میں پیدا کیا گیا ہے۔ اور یہ کوئی تاویل نہیں بلکہ دو مفہوموں میں سے ایک کی تعیین ہے۔ (معارف القرآن)

تاویل مذکور: الم تر کیف خلق اللہ سبع سموات طباقا وجعل القمر فیہن نورا۔ میں بھی جاری ہے معنی آیت کا یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے سات آسمان اوپر نیچے بنائے اور ان آسمانوں میں چاند کو روشن کیا۔ اس تاویل کی رو سے فیہن کے معنی فی قربہن ہوں گے یعنی آسمان کے قرب اور فضاء بین السماء والارض میں چاند کو روشن بنایا۔

آیت ہذا میں سموات سے فضا آسمانی مراد لینے میں بظاہر یہ اشکال معلوم ہوتا ہے کہ سموٰت طباقا سے جرم آسمان کا مراد ہونا یقینی امر ہے اور اس جرم آسمان ہی میں چاند کے روشن ہونے کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے البتہ تاویل مذکور کی رو سے اگر فی کی ظرفیت کو مجازی تسلیم کر لیا جائے تو اس اشکال کا حل ہو جاتا ہے۔

بہرحال جب بطلیموسی اس نظریہ کی تردید ہو گئی کہ ستارے آسمانوں کے جرم میں پیوست ہیں۔ تو اب کسی ستارے تک پہنچنے کے لئے نہ تو کسی کو آسمان سے گزرنے اور پار ہونے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ ہی یہ اشکال واقع ہوتا ہے کہ ان خلائی پرواز کرنے والوں کو آسمانوں میں داخلہ کیسے مل گیا۔

مذکورہ بالا تحریر سے واضح ہو گیا ہو گا کہ چاند ستاروں کے بارہ میں سائنس نے جو نظریہ پیش کیا ہے وہ بہت پرانا اور قدیم فیثا غورثی نظریہ ہے۔ جس کو آج سے اڑھائی ہزار سال پہلے دریافت کر لیا گیا تھا۔ سائنس کی یہ کوئی جدید تحقیق اور نئی دریافت نہیں ہے جس پر اس کو فخر اور ناز کرنے کا حق حاصل ہوتا ہوا اور اس کی دریافت کا سہرا اس کے سر ہو۔

اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ یہ نظریہ قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہے بلکہ ان جدید نظریات میں جہاں تک اہل تحقیق علماء نے غور و فکر کیا ہے۔ کوئی چیز قرآن و سنت کے خلاف نہیں۔ بجز اس کے کہ فیثا غورث کے اصلی نظریہ میں آفتاب کو ساکن قرار دیا گیا تھا۔ اور یورپ کے ماہرین بھی صدیوں تک کہتے رہے ہیں۔ یہ امر قرآن کریم کی اس تصریح کے خلاف ہے جو سورہ یٰسین میں موجود ہے والشمس تجری لمستقر لہا جس سے آفتاب کا بھی حرکت کرنا ثابت ہوتا ہے اسی طرح قرآن کریم کی آیت کل فی فلک یسبحون سے ستاروں کا حرکت کرنا ثابت ہے۔ (معارف القرآن)

اس لئے کہ ظاہر اسناد یسبحون سے کہ اصل اسناد میں حقیقت ہے شمس و قمر کا حرکت ذاتیہ سے متحرک ہوتا معلوم ہے (بیان القرآن ص ۲۵ ج ۷)

آفتاب کے ساکن ہونے کے فیثا غورثی کے نظریہ کے خلاف اٹھارھویں صدی عیسوی کے ماہرین ہیئت جدید نے یہ تسلیم کر کے کہ آفتاب خود اپنے طور پر حرکت کرتا ہے۔ قرآنی تصریحات کی تائید کر دی۔

موضوع قرآن مجید

اب اس دوسرے گروہ کے متعلق چند گذارشات پیش کی جاتی ہیں۔ جو ان نئی ایجادات پر بنیاد رکھ کر قرآن مجید کی تفسیر کے درپے ہے اور اس کے نزدیک قرآن مجید کا مقصد ہی یہ ایجادات ہیں اور ان ایجادات کے موجدین ہی گویا قرآن مجید کا تقاضہ پورا کرنے والے ہیں۔

اول تو یہ گذارش ہے کہ قرآن مجید کوئی فلسفہ یا ہیئت کی کتاب نہیں ہے۔ جس کا موضوع بحث حقائق کائنات یا آسمانوں اور ستاروں کی ہیئت وحرکات وغیرہ کا بیان ہے۔ قرآن کریم جو آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی چیزوں میں غور و فکر کی دعوت دیتا اور ستاروں کی حرکات اور حرکات سے پیدا ہونے والے آثار کا ذکر بار بار کرتا ہے۔ اس کا ایک تو اس سے یہ مقصد ہے کہ انسان ان کی عجیب وغریب صنعت اور مافوق العادات آثار کو دیکھ کر یہ یقین کرلے کہ یہ چیزیں خود بخود پیدا نہیں ہوگئیں۔ بلکہ ان کو پیدا کرنے والا کوئی سب سے بڑا حکیم، بڑا علیم اور سب سے بڑا صاحب قدرت و قوت ہے۔ کہ یہ اجرام فلکیہ اپنی اس قدر وسعت وفراخی کے باوصف اس کے تصرف کے تحت متحرک اور اس کے فرمان کے تابع ہیں۔ اور اس قادر کے حکم کے خلاف کرنے پر ان کو ذرہ بھر قدرت حاصل نہیں ہے۔

مگر اس یقین حاصل کرنے کے لئے ہرگز اس کی ضرورت نہیں کہ آسمانوں اور فضائی کائنات اور ستاروں سیاروں کے مادے کی حقیقت اور ان کی اصل ہیئت وصورت اور ان کے پورے نظام کی پوری کیفیت اس کو معلوم ہو بلکہ اس کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے جو ہر شخص مشاہدہ سے دیکھتا اور سمجھتا ہے کہ شمس و قمر اور دوسرے ستاروں کے سامنے آنے اور کبھی غائب ہوجانے سے نیز چاند کے گھٹنے بڑھنے سے اور رات دن کے انقلاب پھر مختلف موسموں اور مختلف خطوں میں دن رات گھٹنے بڑھنے کے عجیب وغریب نظام سے جس ہزاروں سال سے کبھی ایک منٹ ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آتا ان سب امور سے ایک ادنیٰ عقل وبصیرت رکھنے والا انسان یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ حکیمانہ نظام یونہی خود بخود نہیں چل رہا۔ کوئی اس کو چلانے بنانے والا۔ باقی رکھنے والا ہے۔ اور اتنا سمجھنے کے لئے انسان کو نہ کسی فلسفی تحقیق کی ضرورت ہے اور نہ حالات رصدیہ کے ذریعہ کائنات کے حقائق کی دریافت کی حاجت پڑتی ہے اور نہ ہی قرآن کریم نے اس کی طرف دعوت دی ہے۔ قرآن کریم کی دعوت صرف اسی حد تک ان چیزوں میں غور وفکر کی ہے جو عام مشاہدے اور تجربے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اور ہر شخص خواہ عامی ہو۔ یا عالم منطقی ہو یا فلسفی۔ بقدر اپنی استطاعت اور فہم کے اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔ ان فلسفیانہ موشگافیوں اور آلات رصدیہ پر موقوف ہونے والے حقائق کے دریافت کرنے کی قرآن کریم دعوت نہیں دیتا کیونکہ ان حقائق کو چند خاص ماہرین سائنس افراد کے سوا دنیا کا کوئی ذو بشر دریافت کر ہی نہیں سکتا۔ اور قرآن کی دعوت عام ہے اپنی استعداد اور فہم کے مقدار سے ہر فرد بشر اس سے استفادہ کرسکتا ہے۔ اور ہر شخص اس کی دعوت پر عمل کرسکتا ہے۔ اس لئے ایسے فلسفیانہ حقائق کی دریافت کرنے کو تو قرآن مجید کی دعوت کیسے قرار دیا جاسکتا ہے؟

تجدد پسند علمار کی غلطی

آج کل بعض تجدد پسند علمار نے یورپ اور اس کی تحقیقات سے متاثر ہو کر آیات کونیہ میں تدبر اور غور و فکر کا جو یہ منشا بتایا ہے ۔ کہ یہ خلائی سفر چاند اور مریخ اور زہرہ پر کمندیں پھینکنے کی مساعی ۔ قرآن کریم کے تقاضہ کو پورا کرنا ہے ۔ اور یہی مقصد قرآن کریم کا ہے یہ بالکل غلط ہے ورنہ جس ذاتِ قدسی صفات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئیں اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بلا واسطہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کو پڑھا اور سمجھا ہے اگر ان آیات کا یہ تقاضہ ہوتا کہ کائنات کے حقائق کو دریافت کیا جائے اور آسمان و زمین کی ماہیتوں کو معلوم کیا جائے تو وہ حضرات ضرور اس طرف توجہ فرماتے اور قرآن کریم کے تقاضہ کو ضرور پورا کرتے ۔ مگر انہوں نے ان امور کی طرف قطعاً توجہ نہیں دی ۔ حالانکہ اس زمانہ میں بھی ہیئت قدیم کا فن موجود تھا ۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ۔

پس صحیح بات یہ ہے کہ قرآن کریم نہ تو ان فلسفی اور سائنسی تحقیقات (خواہ وہ تحقیقات قدیمہ ہوں یا جدیدہ) کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے نہ ان سے بحث کرتا ہے اور نہ ان چیزوں کی مخالفت کرتا ہے ۔ (معارف)

اس لئے علمائے حق اس پر متفق ہیں کہ ان مسائل کے متعلق جو بات قرآن کریم سے یقینی طور پر ثابت ہو اگر کوئی قدیم یا جدید نظریہ اس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے قرآنی آیات میں کھینچ تان اور تاویل جائز نہیں ۔ اس نظریہ ہی کو مغالطہ قرار دیا جائے گا ۔ البتہ جن مسائل میں قرآن کریم کی کوئی تصریح موجود نہیں ۔ الفاظ قرآنی میں دونوں معنوں کی گنجائش ہے ۔ وہاں اگر مشاہدات اور تجربات سے کسی ایک نظریہ کو قوت حاصل ہو جائے تو آیت قرآنی کو بھی اسی معنی پر محمول کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ۔ (معارف)

واقعہ یہ ہے کہ اس وقت تک ہیئت جدید نے جو تحقیقات پیش کی ہیں اس میں آسمانوں کے انکار کے سوا کوئی کوئی بھی قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہے ۔ بعض لوگ اپنے قصور علم سے ان کو قرآن و سنت کے خلاف سمجھ کر تاویلات کے درپے ہوتے ہیں ۔ (معارف)

غرضیکہ قرآن کریم ایسی فلسفیانہ دور از کار بحثوں اور تحقیقات میں انسانوں کو نہیں الجھاتا ۔ جو عام انسانوں کے قابو سے باہر ہیں ۔ اور جن کو حاصل کر لینے کے بعد بھی قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہی صحیح ہیں کیونکہ حقائق کائنات پر عبور کر لینا انسان کے بس کی بات نہیں ہے ۔

ہر زمانہ کے فلاسفروں اور ماہر فلکیات کے نظریات میں شدید اختلافات اور روزمرہ کے نئے انکشافات اس کا واضح دلیل ہیں ۔ کسی نظریہ اور تحقیق کو یقینی اور آخری نہیں کہا جا سکتا ۔ لہٰذا قرآن فہمی اور مقاصد قرآن کریم کو حاصل کرنے کے لئے ان تبدیل پذیر نظریات اور غیر یقینی تحقیقات کی قطعاً ضرورت نہیں ہے ۔ اور نہ ہی ان تحقیقات میں یہ صلاحیت ہے کہ ان کو قرآن مجید کا تقاضہ قرار دے کر ان پر قرآن فہمی کی بنیاد رکھ دی جائے اس لئے کہ جب

باقی ص ۲۵ پر
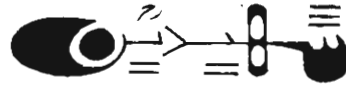
جناب میجر محمد حامد صاحب ۔ کاکول
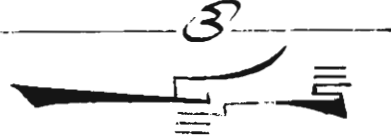
جشنِ ہزارہ کے موقع پر ہونے والی مجلسِ مذاکرہ میں
پڑھا گیا

سیّد احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی تحریکِ جہاد برِصغیر کی تاریخ میں ایک خاص اہمیّت رکھتی ہے ، یوں تو تاریخ نے بڑے بڑے معرکے دیکھے ، سلطنتوں کا عروج و زوال دیکھا اور بڑے بڑے جرنیلوں کو میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے ہوئے دیکھا لیکن انیسویں صدی کے آغاز میں سیّد احمد شہیدؒ کی اٹھائی ہوئی تحریک کا ثانی شاید ہی دیکھنے میں آئے ۔ اس وقت مختلف تاریخی تفصیلات سے قطع نظر تحریک کا ایک طائرانہ جائزہ لینا مطلوب ہے ۔

رائے بریلی کے سادات کے خاندان کے چشم و چراغ سیّد احمد ٹونک میں فوجی تربیّت اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ سے علمی و روحانی تربیّت سے فیض یاب ہونے کے بعد فریضۂ حج کیلئے ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ نکلے ۔ یہ حج اگلی منزل یعنی جہاد کے لئے ایک تیاری کی حیثیت رکھتا تھا ۔ ۱۸۲۶ء میں رائے بریلی سے یہ قافلۂ حق اس منزل کیلئے نکلا جہاں سے اسے جہاد کی گھاٹی سے گذرتے ہوئے خلعتِ شہادت سے سرفراز ہونا تھا ۔ راجپوتانہ کے لق و دق صحرا ، درّۂ بولان کی سختیاں ، قندھار اور کابل کی کوہ پیمائیاں بالآخر پشاور آمد میں منتج ہوئیں ، مقصد یہ تھا کہ پنجاب و سرحد کے مسلمانوں کو جو سکھوں کے مظالم تلے بے حمیّتی کی زندگی بسر کر رہے تھے ، جہاد کے ذریعہ آبرومندانہ اور آزادانہ زندگی بسر کرنے کے قابل بنایا جائے جب قومیں زندگی کی آسائشوں کو موت کی سختی پر ترجیح دینے لگیں تو عزّت کا منصب ان سے چھین لیا جاتا ہے ۔ انیسویں صدی میں برِصغیر کی کہانی بھی اس سے مختلف نہ تھی ۔ یہ نہ تھا کہ اب لاہور میں مسلمان نہ رہتے تھے لیکن شاہی مسجد کے مینار اذانوں سے محروم ہو چکے تھے ۔ اور اس کا صحن اصطبل کا روپ دھار چکا تھا ۔ شاہی مسجد قرطبہ کی مسجد سے صرف اسی حد تک مختلف تھی کہ وہاں مسلمانوں کا جسمانی وجود تک ختم کیا جا چکا تھا ۔ جبکہ یہاں حمیّت اور غیرت سے خالی لاشے گلیوں میں چلتے پھرتے اب بھی نظر آتے تھے ۔ یہی نہ تھا خود سرحد میں سکھوں کو خراج ادا کیا جا رہا تھا ۔ وہی

قلعہ اٹک جس پر کبھی مغلوں کے پھریرے لہرائے اور جس کی مسجدوں سے اللہ اکبر کی صدائیں گونجی تھیں، سکھوں کے قبضے میں جا چکا تھا۔ دین جو کبھی قوت و شوکت کا پیام لئے ہوئے تھے صرف مسجدوں کی چار دیواریوں تک محدود ہو چکا تھا۔ ایسے نادانوں کی کمی نہ تھی جو اس سجدے کی آزادی کو اسلام کی آزادی پر محمول کر رہے تھے۔

ان تیرہ و تار حالات میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اپنے ساتھیوں کے ایک مختصر سے قافلے سمیت باطل کی قوت سے نبرد آزما ہونے کیلئے ہزاروں میل کا طول وطویل سفر طے کر کے اس سرزمین کیطرف نکلے جو برصغیر میں اسلام کے قافلے کا پہلا پڑاؤ رہا تھا۔ وہ درۂ خیبر کو جس راستے سے ترک افغان و مغل سپاہ کبھی برصغیر کی ظلمتوں کو روشنی سے بدلنے کیلئے آئی تھیں، روندتے ہوئے جب پشاور پہنچے تو انہوں نے ایک لمحے کے لئے بھی اپنی قلت تعداد پر نظر نہ کی اور سکھوں کی بے پناہ قوت کو پرکاہ کے برابر سمجھا۔ وہ جانتے تھے کہ : كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۔ (کتنے ہی مختصر گروہ اللہ کے حکم سے بڑے گروہوں پر غالب آتے ہیں۔)

جب عزم و ہمت کے یہ پیکر دل میں اللہ پر بے پناہ ایمان اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو نافذ کرنے کا جذبہ لئے میدان میں اترے تو اکوڑہ خٹک کا میدان سکھوں کی لاشوں سے پٹ گیا۔ وہ اپنی تعداد کی قلت کے باوجود اس علاقے کی سب سے بڑی قوت کے مقابلے میں غالب آئے۔ اس معرکے میں خلعت شہادت پانے والوں میں مظفر نگر کے فہیم خان تھے تو سندھ کے سید عبدالرحمٰن اور حسن خان، دہلی کے شیخ مخدوم اور کریم بخش تھے تو لکھنؤ کے مرزا ہمایوں بیگ قندھار کے ملا قطب الدین اور ملا لعل محمد تھے تو ملیح آباد کے غلام حیدر خان بھی ان میں شامل تھے۔ الغرض برصغیر کے مختلف علاقوں سے آتے ہوئے یہ جوان مرد اکوڑہ کی خاک کو اپنے خون کے چھینٹوں سے سیراب کر گئے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن ۔۔۔ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

اکوڑہ کے معرکے میں دشمن کے مقابلے میں قربانیوں کا مطالبہ پورا ہوا تو اپنوں کے زخموں کو جھیلنے کی تاب بھی لانا پڑی۔ وہ سید جو رائے بریلی سے جہاد کے راستے پر گامزن ہوئے تھے نہ غیروں کے دئے ہوئے زخموں سے گھبرائے نہ اپنوں کی جراحتوں پر تلملائے انہوں نے کشادہ روئی سے یہ سب کچھ برداشت کیا۔ انہیں معلوم تھا کہ ؎

روئے کشادہ باید و پیشانی فراخ ۔۔۔ آنجا کہ سطمہ ہائے یداللہ می زنند

پنجتار، زیدہ، ہنڈ، تربیلہ، ستھانہ اور امب کے معرکوں سے گزرتا ہوا یہ قافلۂ حق بالاکوٹ کی اس آخری منزل پر پہنچا جو ایک تحریک جہاد کا نقطۂ اختتام تھا، تو ایک دوسرے جہاد کی منزل کا نقطۂ آغاز

۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کی سرزمین پر حق و باطل کی رزم آرائی ایک اور انداز سے ہو رہی تھی۔ آج پانچ برس کی مسلسل جدو جہد، دن رات کی کوششوں اور بے تاب روحوں کے جہدِ لازوال کے بعد وہ منزل آ پہنچی تھی جہاں ہار جیت کا مسئلہ نہ تھا کہ منزلِ مقصود سر کھونے کی تھی، سر کو سلامت رکھنے کی نہ تھی ؎

سودا قمارِ عشق میں خرد سے کوہکن
بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا

شہیدین کی تحریک بالاکوٹ میں ختم نہیں ہوئی، زندگی سے چوگان کی گیند کی طرح کھیلنے والے آسودۂ خاک ہوئے۔ لیکن ان کی کوششوں کا نتیجہ اس خطۂ زمین میں ایک نئی زندگی کی صورت میں نکلا۔ آنے والی ایک صدی کی جدوجہد کے ہر عنوان پر ہمیں انہی شہیدوں کی سرخی نظر آتی ہے۔ بالاکوٹ میں شہیدوں کے خون کی مشعل ستھانہ سے لیکر وزیرستان تک روشنی کا سامان کرتی رہی۔ سکھوں کی سلطنت کا شیرازہ بکھرا اور انگریز یہاں آئے تو انہیں ایک دن کیلئے چین نصیب نہ ہوا۔ ۱۸۴۹ء سے ۱۹۰۰ء تک کے ۵۱ سالوں میں ۵۲ لڑائیاں لڑی گئیں جن میں سے ۶ بڑے معرکوں کی سعادت موجودہ ہزارہ ڈویژن کو نصیب ہوئی، ان میں سے صرف ایک معرکہ امبیلا جس میں دس ہزار انگریز سپاہ ماری گئی، سرحد کی تاریخ کا سب سے بڑا معرکہ تھا۔ یہ ستھانہ کے خاندان اور مجاہدین کی مشترکہ قیادت میں لڑا گیا۔ کوہستان سیاہ (کالا ڈھاکا) کی لڑائیاں ہوں یا وزیرستان میں بہادر محسودوں کے خلاف انگریزوں کے حملے سب میں شہیدین کے نام لیواؤں کا خون بہا اور ان کی تدابیر فتح مندیوں کا سبب بنیں۔ ۱۸۳۱ء میں بہنے والا خون ۱۹۴۷ء تک سرحد کی سرزمین کے چپے چپے کو گلنار کرتا اور گرماتا رہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تاریخ ہمیں ان گمنام مجاہدوں کے نام نہیں بتاتی جو بنگال کی سرزمین سے لے کر قندھار تک پھیلے ہوئے علاقے سے تعلق رکھتے تھے، لیکن ان کا تعلق صرف اور صرف اللہ کی ذات سے تھا جس کی راہ میں سر کٹانے سے بہتر کوئی نصب العین ان کے پیشِ نظر نہ تھا۔ یہ سکھوں اور انگریزوں کے خوانِ نعمت سے گری پڑی ہڈیاں اٹھانے والے اور ان کے دئے ہوئے تمغے سینے پر سجانے والے لوگوں میں سے نہ تھے۔ ان کو کوئی جاگیر یا خطاب عطا نہیں ہوا، انہوں نے اپنے ابنائے وطن کی اٹلی سے جاپان تک بکھری ہوئی لاشوں پر اپنی عظمت کے مینار کھڑے نہیں کئے۔ تاریخ نے انہیں انگریز ڈپٹی کمشنروں سے لے کر وائسرائے تک کے درباروں کی کرسیوں پر جگہ پانے کے لئے اپنی غیرت کو نیلام کرتے نہیں دیکھا۔ ان کی اولاد ڈون سکول ڈیرہ دون اور ایچیسن کالج کی روشوں پر چلتی چلتی اقتدار کے دریچوں تک نہیں پہنچی، لیکن شہادت گاہ پر گرے خون کے ایک ایک قطرے پہ کتنی ہی سلطنتوں کا غرور قربان کیا جا سکتا ہے۔ ان کے گھوڑوں کے سموں سے اڑتی چنگاریوں پہ کتنے ہی عشرت کدوں کی جگمگاتی روشنیاں تصدق کی جا سکتی ہیں۔ آج تک کالا ڈھاکا کے غازی ہاشم خان سے لے کر وزیرستان کے شہزادہ فضل دین تک

باقی صـ۲۷ پر

محترم ڈاکٹر قادر بخش ۔ فیصل آباد

مسائل اور ہماری ذمہ داریاں

جنوبی بحرالکاہل کا علاقہ وسیع و عریض رقبہ پر پھیلا ہوا ہے ۔ اور چھوٹے بڑے ہزارہا جزائر پر مشتمل ہے ۔ مگر جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ نیوزی لینڈ ، آسٹریلیا ، جزائر نیوکیلی ڈونیا ، اور فیجی کے جزائر میں مقیم ہیں ۔ نیوزی لینڈ میں مسلم آبادی نہایت قلیل ہے ، یعنی تیس لاکھ کی کل آبادی میں دو ہزار پانچ سو کے قریب ۔ مسلمانوں کی ایک تنظیم انجمن حمایت اسلام کے علاوہ انٹرنیشنل مسلم ایسوسی ایشن آف نیوزی لینڈ (انکارپوریٹڈ) اور مسلم طلباء کی بھی ایک تنظیم یہاں کے سب سے بڑے شہر آک لینڈ میں موجود ہے ۔ یہاں پر ایک مسلم مدرسہ اور مسجد زیر تعمیر ہیں ۔ علماء جو جدید علوم سے بھی بہرہ ور ہیں اور مبلغین نیز اسلامی لٹریچر کی کمی یہاں شدت سے محسوس کی جا رہی ہے ۔

آسٹریلیا کی سوا کروڑ سے زیادہ آبادی میں کوئی پندرہ ہزار سے زائد مسلمان ہیں ۔ جن میں بلقان ریاستوں کے مہاجر اور تارکین وطن بھی شامل ہیں ۔ تمام بڑے شہروں میں مساجد ، اسلامی سوسائٹیاں اور طلباء کی تنظیمیں قائم ہیں اور آسٹریلین فیڈریشن آف اسلامک کونسل ان سب کی مرکزی تنظیم ہے ۔ یہاں بھی مستند علماء کی اشد ضرورت ہے ۔ اور انگریزی زبان میں اسلامی لٹریچر نیز مسلم سکول کی کمی بھی یہاں کے اہم مسائل ہیں ۔ جزائر نیوکیلی ڈونیا جو کہ پہلے فرانسیسی استعمار کے زیر اثر تھا ۔ وہاں بھی ایک ہزار سے کم مسلمان موجود ہیں جنکا اصل تعلق صومالیہ افریقہ سے ہے ۔ اور یہاں بھی اسلامی سکول ، مسجد اور مسلمانوں کی تنظیم کی سخت ضرورت ہے ۔

جزائر فیجی کے حالات کا جائزہ ہم ذرا تفصیل سے لیں گے ۔

یہ چھوٹے بڑے جزائر جن کی تعداد ۸۴۴ کے قریب ہے ۷۲۰۰ مربع میل کے رقبہ پر پھیلے ہوئے ہیں رقبہ کا تقریباً ۹۰ فیصد حصہ دو بڑے جزیروں وٹی لیوو (VITI LEVU) اور وانا لیوو (VANUA LEVU) نے گھیر رکھا ہے ۔ دارالحکومت سووا (SUVA) سڈنی سے تقریباً ۱۹۰۰ میل کے فاصلہ پر ہے ۔ فیجی میں ۶۰ انچ سے ۱۲۰

انچ سالانہ تک بارش ہوتی ہے۔ آب وہوا مرطوب ہے، اور درجہ حرارت تقریباً سارا سال یکساں رہتا ہے۔ (۲۶ ع)
بڑی پیداوار گنا اور ناریل ہے۔ کیلے، مچھلی، مینگانیز دھات سونا اور سیاحت بھی بڑے ذرائع آمدنی ہیں۔

ان جزائر کو ۱۶۴۳ء میں ایبل تسمین (ABEL TASMAN) نے دریافت کیا۔ کیپٹن کک (COOK)
یہاں ۱۷۷۴ء میں پہنچا۔ اور ۱۷۹۷ء میں کیپٹن ولسن فیجی میں آیا۔ مگر باقاعدہ منصوبہ بندی کے ساتھ جزائر فیجی کا سروے
۱۸۴۰ء میں ایک امریکی ٹیم نے کیا۔ اور تین ماہ میں یہ مطالعاتی دورہ مکمل ہوا۔

اب یورپی لوگوں سے فیجی کے روابط قائم ہوئے اور یورپ کے اچھے اور برے اثرات بھی ادھر پہنچنے لگے
یورپ کی بیماریاں مثلاً خسرہ وغیرہ ادھر آئیں اور اسلحہ اور شراب و منشیات کا داخلہ بھی ممکن ہوا۔ زیادہ تر یورپین
فیجی میں تاجروں کے بھیس میں آئے، کچھ آسٹریلیا کے مفرور ملزم تھے، اور کچھ ملاحوں اور مشنریوں کے روپ میں
یہاں پہنچے۔ ۱۷۹۷ء میں کچھ پروٹسٹنٹ مشنریوں نے عیسائیت کا پرچار شروع کیا۔ یہاں کے اصل باشندوں
کا آبائی مذہب بت پرستی اور ماوراء العقل عقائد و توہمات پر مبنی تھا۔ اور ان میں سے بعض قبائل آدم خوری جیسی
وحشیانہ عادات بد میں مبتلا تھے۔ عیسائیت کیلئے منظم کام یہاں لندن مشنری سوسائٹی نے شروع کیا، جس نے بعد
میں عیسائیوں کے ویزلین گروپ سے اشتراک عمل کر لیا۔

ساتھ ساتھ سفید فام استعمار اپنی مکارانہ فریب کاریوں سے یہاں قدم جماتا گیا۔ قبائلی سرداروں کی باہمی
خانہ جنگی بھی ان کے کام آئی۔ یہاں کی صندل کی لکڑی کی تجارت بھی انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے لی جس کی چین، ہندوستان
وغیرہ میں بہت مانگ تھی۔ ان لوگوں نے یہاں گنا اور کپاس کی کاشت بھی شروع کی اور مقامی لوگوں سے انہی
کی زمین پر جبری کاشت کاری کروائی۔ سفید فاموں کے مسلسل دباؤ سے مجبور ہو کر اور اپنے یورپی مشیروں کے کہنے
پر فیجی کے بادشاہ نے ۱۸۵۹ء میں ملک کو برطانیہ کے حوالہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ مگر برطانیہ نے ان حالات میں
یہ پیشکش قبول نہ کی۔ بعد میں ایک تفتیشی کمیٹی کی سفارشات پر جو وہاں کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لئے بنائی گئی
تھی، یہ جزائر غیر مشروط طور پر برطانیہ کے حوالے کر دئیے گئے۔ اور ۱۰ اکتوبر ۱۸۷۴ء کو فیجی کو برطانوی نوآبادی
قرار دے دیا گیا۔ برطانیہ کی نظر فیجی کی بلحاظ محل وقوع فوجی اہمیت اور نیوزی لینڈ و آسٹریلیا کی ہمسائیگی کے علاوہ
یہاں ایک عمدہ بندرگاہ ملنے کے امکان اور کپاس اور گنے کی پیداوار پر بھی تھی۔

شروع میں عیسائیت کو جزائر فیجی میں اتنی مقبولیت حاصل نہ ہوئی۔ مگر بعد میں جب یورپی عہدے داروں
نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا تو لوگ تیزی سے عیسائی ہونے لگے۔ ۱۸۵۴ء میں جب یہاں کا بادشاہ دکم بو
عیسائی ہوا تو اس مذہب کو بہت تقویت ملی۔ آج یہ لوگ پکے عیسائی ہیں جن میں ۸۵ فیصد میتھوڈسٹ ۱۲ فیصد رومن
کیتھولک اور باقی دوسرے فرقے ہیں۔ ۱۹۳۵ء میں فیجی میں عیسائیت کے سو سال پورے ہونے پر یہاں صد سالہ

تقریبات منائی گئی۔

ہندوستانیوں کی آمد یہاں ۱۸۷۹ء میں شروع ہوئی جب برطانوی حکومت نے ایک معاہدہ کے تحت انہیں کپاس، گنا، ربڑ وغیرہ کی کاشت کیلئے ادھر بلایا۔ یہ معاہدہ ختم ہونے تک (۱۹۱۶ء) ۶۳،۰۰۰ ہزار سے زائد ہندوستانی یہاں آچکے تھے، اور ان میں سے صرف ایک تہائی کے قریب ہندوستان واپس گئے۔ اس عرصہ میں ہندوستانی آبادی نہایت تیزی سے بڑھتی رہی اور اس وقت پوری آبادی کے نصف سے اوپر پہنچ چکی ہے جسکے اسباب کم عمر میں شادی زیادہ بچے پیدا کرنے کی صلاحیت اور اولاد میں لڑکیوں کا بلند تناسب ہیں۔ اب اس بڑھتے ہوئے تناسب کو کم رکھنے کیلئے خاندانی منصوبہ بندی رائج کی گئی ہے۔ ۱۹۶۲ء میں ہندوستانیوں کی شرح پیدائش ۴۱.۰۸ فی ہزار تھی۔ جو ۱۹۶۶ء میں کم ہوکر ۳۴.۰۶ رہ گئی۔ جب کہ فیجئن (اصل مقامی باشندے) میں ان چار سالوں میں یہ شرح ۳۷.۲۷ سے کم ہوکر ۳۶.۹۳ فی ہزار ہوئی ہے۔

ہندوستانیوں کو سیاسی حقوق ۱۹۲۹ء میں ملے۔ فیجی کی مجلس قانون ساز اور برطانوی پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد برطانیہ نے فیجی کو آزاد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اور ۱۰ راکتوبر ۱۹۷۰ء کو یہ ملک آزاد ہوگیا۔ ۱۳ راکتوبر ۱۹۷۰ء کو فیجی اقوام متحدہ کا رکن بن گیا۔

جزائر فیجی کی مسلم اقلیت فیجی کی تقریباً چھ لاکھ آبادی میں ۵۰ فیصد عیسائی، ۴۰ فیصد ہندو، ۸ فیصد مسلمان، اور ۲ فیصد باقی مذاہب کے لوگ ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی تعداد ۴۸،۰۰۰ کے قریب ہے۔ مرزائی (دونوں گروپ) اور بہائی مشنریاں بھی یہاں کام میں مصروف ہیں۔

یہاں پر مسلمانوں کی مرکزی تنظیم فیجی مسلم لیگ ہے۔ اس کے تحت تقریباً ۲۵ پرائمری سکول اور تین ہائی سکول اور کئی ایک مساجد قائم ہیں۔ ان سکولوں میں ہر نسل اور ہر مذہب کے بچے تعلیم پاتے ہیں، مسلمان ان سکولوں میں اردو عربی اور اسلامیات کی تعلیم کی شدید ضرورت محسوس کرتے ہیں اور اس مقصد کے لئے باہر سے اساتذہ منگوائے گئے ہیں۔

ایسی صورت میں جبکہ اس ملک کی ۶۰ فیصد سے زیادہ آبادی ۲۵ سال سے کم عمر کے نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ اور آبادی کا چوتھا حصہ پرائمری اور ہائی اسکولوں میں زیر تعلیم ہیں۔ مسلمانوں کے زیادہ سے زیادہ سکول قائم کرنے اور ان میں اسلامی تعلیم کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔

ماضی میں مسلمانوں کو حکومت میں نمائندگی دی جاتی تھی، مگر نئے آئین میں مسلمانوں کے الگ سیاسی وجود کو تسلیم نہیں کیا گیا بلکہ انہیں "ہندوستانی" شمار کیا گیا ہے۔ عدالتوں میں مسلم شخصی توانین کا نفاذ ایک الگ حل طلب مسئلہ ہے۔ جزائر فیجی کے ہر ضلع میں مسجد موجود ہے۔ اور چند علماء دین کی خدمت بھی کر رہے ہیں۔ لیکن جزائر

میں منتشر مسلم آبادی کیلئے مزید علماء کی شدید ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں تبلیغی جماعت اور مجلس تحفظ ختم نبوت نے قابل قدر اور نمایاں کام کیا ہے۔ اور یہ لوگ دور دراز جزیروں میں پہنچتے ہیں۔

اسی طرح یہاں انگلش اور اردو میں اسلامی لٹریچر کی بھی سخت ضرورت ہے، جو ہر قسم کے فرقہ وارانہ تعصب سے پاک ہیں۔ فیجی کے مسلم جوانوں کی فعال تنظیم (F M Y O) فیجی مسلم یوتھ آرگنائزیشن نے دیگر منصوبوں کے علاوہ ایک اسلامی لائبریری "شاہ فیصل اسلامک لائبریری" بھی قائم کی ہے۔

نیوزی لینڈ آسٹریلیا نیوکیلی ڈونیا اور فیجی کے مسلمانوں کے مشترکہ مسائل کے حل کے لئے سب سے عمدہ طریقہ یہ ہے کہ یورپ کی اسلامی کونسل کی طرز پر جنوبی بحرالکاہل کی ایک اسلامی کونسل تشکیل دی جائے۔ جو اسلامی سیکرٹریٹ جدّہ کے ساتھ مربوط ہو۔ اس اسلامی مرکز کے تحت تبلیغی کام اور دینی مدارس کا قیام بہترین نتائج پیدا کرسکتا ہے۔

آخر میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بحرالکاہل میں ابھی تک سینکڑوں جزائر ایسے موجود ہیں جہاں رہنے والے انسانوں کے کان اب تک اسلام کی آواز سے ناآشنا ہیں۔ اور وہ عیسائی مشنریوں کی بتائی ہوئی باتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتے۔ یہ میدان دنیا بھر کے مسلمانوں کو صدا دے دے کر پکار رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کون ان صداؤں پہ کان دھرتا ہے۔ اور ان پہ لبیک کہتا ہے۔

اس علاقے کی تنظیموں اور دیگر حالات کی مزید تفصیل کیلئے ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کیا جاسکتا ہے:

The Fiji Muslim Youth Organization. G.P.O. Box. 455
SUVA Fiji Islands, Ocean.

■■

ان تحقیقات کو قطعی اور یقینی نہیں کہا جاسکتا۔ نوان کے تبدیل ہوجانے کی صورت میں اس مفہوم قرآنی کا تبدیل ہونا لازم آئے گا۔ جس کی بنیاد ان تحقیقات پر رکھی گئی تھی اس طرح قرآن کریم کا مفہوم ان جدید اکتشافات کے تابع ہوکر ہر روز بدلا کرے گا۔ اور کسی وقت بھی اس کے یقینی ہونے پر اطمینان حاصل نہیں ہوسکے گا۔

خلاصہ یہ کہ قرآن مجید کی تفسیر کو ان جدید تحقیقات پر مبنی کرنا اور ان ایجادات کے دریافت کرنے کو قرآن کریم کا مقصد اور تقاضہ بتانا قرآن کریم کے مفہوم کو متبدل قرار دینا اور اس کو غیر یقینی بنانا ہے۔ جو کسی طرح جائز نہیں ہے کیونکہ اس طریقہ سے چودہ سو سالہ مذہب اسلام کے یقینی عقائد سے اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ اور وہ سب مشکوک اور ظنی قرار پاتے ہیں اور یوں مذہب اسلام سائنسی تحقیقات کی بدولت بازیچۂ اطفال بن کر رہ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

مولانا عبد القدوس گنگوہیؒ کی لطائف قدوسی کی تاریخی اہمیت

جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب۔ لاہور

حضرت عبد القدوس گنگوہیؒ کا شمار برصغیر کے نامور اولیاء اللہ میں ہوتا ہے۔ چشتیہ صابریہ سلسلے میں انہیں مجدد کا درجہ دیا جاتا ہے۔ گذشتہ ایک صدی میں دیوبند کے جن بزرگوں نے برصغیر پاک و ہند، بنگلہ دیش، برما، افغانستان، مشرق وسطیٰ، مشرقی اور جنوبی افریقہ میں احیائے دین کا فریضہ انجام دیا اور اپنے وطن کو اغیار کے قبضے سے آزادی دلائی۔ ان کا روحانی سلسلہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے ذریعے حضرت گنگوہی سے جا ملتا ہے۔ ان کے ملفوظات "لطائف قدوسی" لودھیوں کے آخری اور مغلوں کے ابتدائی دورِ حکومت کا ایک اہم ماخذ ہے۔ لیکن ابھی تک کسی تاریخ نویس نے اُن کے عمیق مطالعہ کی طرف توجہ مبذول نہیں کی۔ راقم الحروف نے جب پہلی بار لطائف قدوسی کا مطالعہ کیا تو اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ اس سے استفادہ کئے بغیر لودھیوں کے زوال اور مغلوں کے ابتدائی دور کی مذہبی، معاشرتی اور سیاسی تاریخ مکمل نہیں ہوتی۔

لطائف قدوسی کی تالیف

لطائف قدوسی کی تحریر کا آغاز جمادی الاوّل ۹۴۴ھ میں ہوا۔ اس کی تالیف کے دوران ہی میں ۲۳ جمادی الآخر ۹۴۴ھ کو حضرت گنگوہیؒ نے رحلت فرمائی۔ ان کی وفات کے بعد شعبان ۹۴۴ھ میں یہ کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچی[۱]۔ جامع ملفوظات شیخ رکن الدین حضرت گنگوہی کے جلیل القدر فرزند ہیں۔ ملفوظات کی تدوین کے وقت ان کی عمر ۴۷ سال تھی۔ اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک پختہ ذہن کی تصنیف ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے والد ماجد شیخ عبد الاحد سرہندی شیخ رکن الدین کے مرید اور خلیفہ تھے[۲] اس سے جامع ملفوظات کی روحانی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

لطائف قدوسی کی اہمیت لطائف قدوسی کی اہمیت اس لحاظ سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ جامع ملفوظات نے متعدد تاریخی واقعات

---

[۱] شیخ رکن الدین، لطائف قدوسی، مطبوعہ دہلی ۱۳۱۱ھ ص ۷۱

[۲] مفتی غلام سرور، خزینۃ الاصفیاء مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء ج ۱ ص ۶۰۸۔

اپنے والد بزرگوار کی زبان فیض ترجمان سے سنے تھے۔ اور موصوف خود بھی کئی واقعات کے عینی شاہد تھے۔ حضرت گنگوہی کا ایک مرید دتو سروانی ہمایوں اور شیر شاہ کے درمیان ہونے والی جنگوں میں موخرالذکر کی فوج میں شامل تھا۔ علاوہ ازیں وہ ہمایوں اور بہادر شاہ کے درمیان ہونے والی جنگوں میں گجرات میں مقیم تھا۔ اس نے شیخ رکن الدین کو ان جنگوں کے بارے میں ایسی معلومات بہم پہنچائی تھیں جو دوسری کتابوں میں نہیں ملتیں۔ ان تمام واقعات میں جامع ملفوظات کی ہمدردیاں مغلوں کی بجائے افغانوں کے ساتھ تھیں۔ لطائف قدوسی کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ ہمایوں کی ناکامی کے اسباب میں ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس نے برصغیر کے مذہبی اور روحانی حلقوں کو ناراض کر لیا تھا۔ مورخوں نے ہمایوں کی ناکامی کے بہت سے اسباب بتائے ہیں لیکن اس اہم سبب کا کسی نے بھی ذکر نہیں کیا۔

لطائف قدوسی میں اس عہد کی بہت سی نامور شخصیتوں کا ذکر آیا ہے۔ اس لئے حضرت گنگوہیؒ کے ملفوظات کو اس عہد کی تاریخ کا ایک اہم ماخذ سمجھنا چاہئے۔ ملفوظات میں سلطان بہلول لودھی۔ سکندر لودھی۔ ابراہیم لودھی۔ بابر۔ ہمایوں بہادر شاہ گجراتی۔ شیر شاہ سوری۔ باربک شاہ۔ عمر خان سروانی۔ سلیمان مندوی۔ شیخ سماء الدین سہروردی۔ سیدی احمد ملتانی۔ عرفان سروانی۔ ہیبت خانی سروانی۔ سعید خان سروانی۔ بی بی اسلام خاتو سروانی۔ شیخ عبدالصمد۔ میاں بھورہ۔ شیخ احمد ولد شیخ بڑھ بہاری۔ مولانا عبداللہ دانشمند دہلوی۔ شیخ خضر۔ مولانا جندن۔ مولانا قطب الدین سرہندی۔ مولانا شعیب قاضی عبدالغفور پانی پتی۔ سلطان محمود لودھی۔ اننت کر جوگی۔ بالناتھ جوگی۔ دلاور خان ابن میاں بہوہ۔ قاضی فضل اللہ۔ سید عبداللہ۔ شیخ جلال تھانیسری۔ میاں مخدوم۔ میر حسن علی۔ اور شیخ ادجہر کا ذکر آیا ہے۔ ہماری ناقص رائے میں لطائف قدوسی کا حوالہ دئے بغیر ان نامور ہستیوں کا تذکرہ نامکمل رہے گا۔

حضرت گنگوہیؒ کے آبا و اجداد حضرت گنگوہیؒ کا شجرہ نسب امام اعظم ابوحنیفہؒ سے جا ملتا ہے[۳] ان کے آبا و اجداد میں کئی نامور عالم ہو گزرے ہیں۔ اور ان میں سے اکثر بزرگ منصب افتاء پر فائز تھے[۴] شیخ رکن الدین نے لطائف قدوسی میں اپنے والد بزرگوار کا نام یوں درج کیا ہے۔[۵]

شیخ عبدالقدوس بن شیخ اسمٰعیل بن شیخ صفی[۶]

سید عبدالحئی لکھنوی نے اس شجرہ میں تھوڑا سا اضافہ کیا ہے۔ اور انہوں نے شیخ صفی کے والد کا نام نصیر لکھا ہے[۷]

حضرت گنگوہی کے برادران لطائف قدوسی کے مندرجات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کے تین بھائی تھے ایک بڑے کا نام عبدالصمد[۸] دوسرے بڑے بھائی کا نام عبدالملک عرف میاں شیخ اور تیسرے بھائی کا نام عزیز اللہ تھا۔[۹]

۳ھ ابوالفضل، آئین اکبری مطبوعہ دہلی ۱۲۷۲ھ ج ۲ ص ۱۴۴ ۴ھ لطائف قدوسی ص ۹ ۔ آبا و اجداد حضرت قطبی علماء شرع و مفتی وقت بودہ اند ۵ھ ایضاً ص ۴ ۶ھ عبدالحی، نزہۃ الخواطر مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۵۵ء ج ۴ ص ۱۹۹ ۷ھ لطائف قدوسی ص ۱ ۸ھ ایضاً ص ۱۳

حضرت گنگوہی کی ولادت اور تعلیم و تربیت　　حضرت گنگوہیؒ سلطان بہلول لودھی کے عہد میں ۸۶۰ ھ میں اودھ کے عظیم روحانی اور علمی مرکز ردولی میں پیدا ہوئے[۱۰] انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار کی نگرانی میں حاصل کی۔ ابھی ان کی تعلیم جاری تھی کہ ان کے والد بزرگوار کا انتقال ہوگیا۔

والد بزرگوار کی وفات کے بعد حضرت گنگوہی کے ماموں قاضی دانیال نے ان کے سر پر دست شفقت رکھا۔ قاضی صاحب رُدولی میں سکونت پذیر اور صاحب "حال وکمال" تھے۔ ایک دن حضرت گنگوہی کی والدہ محترمہ نے اپنے بھائی سے ان کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ عبدالقدوس کا پڑھائی میں جی نہیں لگتا۔ اور اس نے اپنی کتابیں اٹھا کر رکھ دی ہیں۔ قاضی صاحب نے بہن کی دلجوئی کے لئے کہا کہ وہ ان کی تعزیر کریں گے۔ اتفاقاً حضرت گنگوہی بھی وہیں موجود تھے۔ انہوں نے اپنے ماموں سے کہا کہ نیک کام میں تاخیر نہیں کرنی چاہئے۔ اس لئے ابھی اور اسی وقت ان کو سزا دیں۔ جس وقت حضرت یہ الفاظ ادا کر رہے تھے چند عورتیں گاتی ہوئی ادھر آنکلیں۔ جونہی ان کے گانے کے الفاظ حضرت گنگوہی کے کانوں میں پڑے اُن پر مستی کا عالم طاری ہوگیا اور موصوف ناچنے لگے۔ ان کی یہ کیفیت دیکھ کر قاضی صاحب نے اپنی بہن سے کہا:-

ایں پسرک را عالمی دیگر پیش آمدہ است۔	اس بچے کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔ تم فکر نہ کرو
ہیچ اندیشہ مکن۔ ما زہمہ خوب خواہد شد[۱۱]	یہ سب سے اچھا نکلے گا۔

حضرت گنگوہیؒ کے بچپن کے واقعات بیان کرتے ہوئے ان کے فرزند شیخ رکن الدین تحریر فرماتے ہیں کہ موصوف اپنے بچپن میں مسجد میں جا کر نمازیوں کے جوتے سیدھے کیا کرتے تھے[۱۲] اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اوائل عمر ہی سے حضرتؒ کی طبیعت نیکی کی طرف مائل تھی اور وہ حصول ثواب کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔

جامع ملفوظات رقمطراز ہیں کہ ان کے والد بزرگوار کی ظاہری تعلیم تو واجبی سی تھی لیکن انہیں علم لدنّی حاصل تھا۔ موصوف مشکل سے مشکل کتاب پڑھا لیتے تھے اور ایسے عالمانہ انداز میں نفس مضمون پر بحث کرتے تھے کہ بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے تھے[۱۳] دہلی میں قیام کے دوران حضرت گنگوہی کی مولانا عبداللہ دانشمند دہلوی اور شیخ احمد ولد شیخ بڈھ دانشمند بہاری کے ساتھ علمی موضوعات پر گفتگو رہتی تھی[۱۴]

---

[۱۰] اعجاز الحق قدوسی، شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات۔ کراچی ۱۹۶۱ء، ص ۶۸

[۱۱] لطائف قدوسی، ص ۷

[۱۲] ایضاً۔ ص ۶

[۱۳] ایضاً۔ ص ۷

[۱۴] ایضاً۔ ص ۷، ۴

خطاطی کی تعلیم | شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ ان کے والد ماجد بڑے خوش خط تھے[15]۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ودولی جیسے قصبے میں فنِ خطاطی سکھانے کا انتظام تھا۔

قرأت کی تعلیم | حضرت گنگوہی کو قرآن پاک کی تلاوت کا بڑا شوق تھا اور موصوف علم قرأت سے بھی واقف تھے[16]۔ حضرت گنگوہی اپنے ایک مکتوب میں شیخ اودھی کو لکھتے ہیں:۔

دیگر ایں بندہ توفیق یافت۔ شب و روز در مشقت خود را قرار نداشت تا حفظ کلام ربانی بر قرأة امام ابی عمر رضی اللہ عنہ میان چند ماہ تمام کرد[17]

ثانیاً، اس بندہ کو خدا نے توفیق بخشی۔ دن رات محنت کی اور اس وقت تک آرام نہ کیا جب تک چند ماہ میں امام ابی عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے قرآن مجید حفظ نہیں کر لیا۔

حضرت گنگوہی نے فن قرأة پر ایک رسالہ "فوائد القرأة" کے نام سے لکھا ہے۔ شیخ رکن الدین کی روایت ہے کہ ان کے والد نے قرآن پاک شیخ سلیمان مندولی سے سنا تھا۔ شیخ موصوف قرأت سے تو واقف نہ تھے لیکن انہوں نے مخارج ایک استاد سے سیکھے تھے[18]۔

حضرت گنگوہیؒ کے ایک استاد سید عبدالحئی نے حضرت گنگوہی کے ایک استاد ملا فتح اللہ المشہور بہ چکنہ کا ذکر کیا ہے۔ موصوف نے ان سے صرف نحو پڑھی تھی[19]۔

ہندوی دوہڑے | لطائف قدوسی کے مندرجات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت گنگوہی کو ہندی زبان پر کامل عبور حاصل تھا اور موصوف ہندی زبان میں بات چیت کر لیتے تھے[20]۔ ایک دوسرے موقع پر اس بات کی تصریح موجود ہے کہ موصوف ہندوی دوہڑے پڑھ کر رو دیا کرتے تھے[21]۔ برصغیر میں جن اولیاء اللہ نے اسلام کی تبلیغ کی ہے ان کی اکثریت مقامی زبانوں سے واقف تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے بارے میں یہ روایت ملتی ہے کہ انہوں نے اجمیر جانے سے پہلے ملتان

---

15. ایضاً۔ ص ۶
16. ایضاً۔ ص ۴۱۔ "معہ ذٰلک قطبی را علم قرأة ہم بسیار بود"
17. عبدالقدوس گنگوہی۔ مکتوبات قدوسیہ۔ مکتبہ احمدی دہلی۔ مکتوب نمبر ۳۷۔ ص ۵۵
18. رکن الدین۔ لطائف قدوسی ص ۴۱
19. عبدالحئی، نزہۃ الخواطر۔ مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۵۴ء ج ۴۔ ص ۱۹۹
20. رکن الدین۔ لطائف قدوسی۔ ص ۳۶
21. ایضاً۔ ص ۲۸

میں طویل قیام کرکے ہندوستانی زبان میں مہارت تامہ حاصل کی۔[۲۲] میر خورد کرمانی کی روایت ہے کہ بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ بھی ہندی زبان میں بات چیت کر لیتے تھے[۲۳] سلطان التارکین صوفی وحیدالدین ناگوری کے گھر میں "ہندوی" بولی جاتی تھی[۲۴] حضرت بندہ نواز گیسو دراز بڑے فخریہ انداز میں فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے سنسکرت زبان پڑھی ہے۔ اور ہندوؤں کی دیو مالا سے بھی بخوبی واقف ہیں۔[۲۵] حضرت شیخ احمد کھٹو کے ملفوظات تحفۃ المجالس کے مطالعہ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ وہ گوجری زبان سے کافی واقفیت رکھتے تھے[۲۶] اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صوفیائے کرام نے زبان کے معاملے میں کبھی تعصب کو راہ نہیں دی۔

حضرت گنگوہی کی تصانیف مولانا عبدالحیٔ لکھنوی، حضرت گنگوہی کی تین تصانیف سے متعارف ہیں۔ انہوں نے حاشیہ بر تعرف، شرح عوارف المعارف اور انوار العیون و اسرار المکنون کا ذکر کیا ہے[۲۷] عمر رضا کحالہ کے خیال میں انوار العیون تصوف کے موضوع پر ہے[۲۸] رحمٰن علی کی یہ رائے ہے کہ اس کا موضوع حفت فی ہے[۲۹] شیخ رکن الدین لطائف قدوسی میں برسبیل تذکرہ لکھتے ہیں کہ ان کے والد بزرگوار نے عوارف المعارف کی شرح عربی زبان میں لکھی تھی۔[۳۰] لطائف قدوسی میں ان کی ایک تصنیف "فوائد القراۃ" کا ذکر بھی آیا ہے جو انہوں نے، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے فن قراۃ پر لکھی تھی۔[۳۱] حضرت گنگوہیؒ کے مکتوبات میں ان کے ملفوظات کے ایک مجموعہ کا ذکر آیا ہے۔ یہ ملفوظات لطائف قدوسی سے پہلے ان کے ایک معتقد شیخ خضر بڈھن جونپوری نے جمع کئے تھے۔ جامع مکتوبات نے اس مجموعہ کا نام "اسرار العجائب" لکھا ہے[۳۲]

---

[۲۲] شیخ محمد اکرم۔ مضمون مشمولہ "خواجہ خواجگان" مطبوعہ کراچی ۱۹۷۲ء ص ۹۹

[۲۳] میر خورد کرمانی۔ سیرالاولیاء۔ مطبوعہ دہلی ۱۳۰۲ھ ص ۱۸۳

[۲۴] فریدالدین، سرورالصدور، مخطوطہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لائبریری۔ فارسی تصوف ۲۱/۱۶۱ ورق ۸

[۲۵] سید محمد اکبر حسینی، جوامع الکلم۔ مطبوعہ کانپور ۱۳۵۶ھ ص ۱۱۹

[۲۶] خلیق احمد نظامی۔ نذر عرشی۔ مطبوعہ دہلی۔ ۱۹۶۵ء ص ۳۴۴

[۲۷] عبدالحیٔ، نزہۃ الخواطر، مطبوعہ حیدرآباد ۱۹۵۴ء ج ۴۔ ص ۱۹۹

[۲۸] عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین۔ مطبوعہ دمشق ۱۹۵۸ء ج ۸ ص ۳۱۲

[۲۹] رحمٰن علی۔ تذکرہ علمائے ہند۔ مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۱۴ء ص ۱۳۰

[۳۰] رکن الدین۔ لطائف قدوسی ص ۸

[۳۱] ایضاً ص ۱۴

[۳۲] عبدالقدوس گنگوہی۔ مکتوبات قدوسیہ۔ مطبع احمدی دہلی۔ مکتوب نمبر ۱۲۲ ص ۲۱۴

حضرت گنگوہیؒ کی شادی | شیخ رکن الدین تحریر فرماتے ہیں کہ اُن کے والد ماجد کا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اُن کی یہ خواہش تھی کہ دشت و کوہ میں فقر و تجرد کی زندگی گذاریں اور مرنے پر گم نام رہیں۔ اتفاقاً ایک شب ان کے مرشد شیخ محمد کی والدہ ام کلثوم نے خواب میں اپنے خسر شیخ احمد عبدالحق رُدولوی کی زیارت کی۔ موصوف نے اپنی بہو سے کہا کہ عبدالقدوس کو گود میں لے کر ان کی پرورش کریں۔ اس نیک بخت نے اس خواب کی یہ تعبیر لی کہ شیخ احمد عبدالحق یہ چاہتے ہیں کہ عبدالقدوس کی شادی اپنی بیٹی سے کر دیں۔ اس روحانی اشارے کے تحت ان کا نکاح اپنے مرشد کی بہن کے ساتھ ہو گیا۔ شیخ رکن الدین رقم طراز ہیں کہ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ شیخ عبدالقدوس کا نکاح ہو رہا ہے تو انہوں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا اور "دیوانے" کے نکاح کا تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ دولہا میاں کو عروسی جوڑا پہنا کر ایک چوکی پر، جو اس مقصد کے لئے سجائی گئی تھی بٹھایا گیا اور "رسم جلوہ" ادا کی گئی۔ اس موقعہ پر مغنیہ عورتوں نے شادی بیاہ کے موقعہ پر گائے جانے والے گیت گانے شروع کئے۔ جب انہوں نے یہ دوہرہ پڑھا:-

کہو کہہ کہول دہنا شہ دیکھا لوری
اس گہونگھٹ ری کارن شہ ہاتہ مروری

تو حضرت پر وجد طاری ہو گیا۔ موصوف بے خودی کے عالم میں چوکی سے گر گئے اور عروسی جوڑا پھاڑ کر رقص کرنے لگے حاضرین کو اس پر سخت تعجب ہوا اور انہوں نے ان کی ساس سے پوچھا کہ انہوں نے ایسے "دیوانے" کو بیٹی کیوں دی؟ اس نیک بخت نے کہا کہ نوشتۂ ازل یہی تھا اور وہ اسے بدل نہیں سکتے تھے[۲۴]

اس واقعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ لودھیوں کے زمانہ میں شادی بیاہ کے موقعہ پر باقاعدہ مغنیہ عورتوں کو گانے کے لئے بلایا جاتا تھا اور مذہبی گھرانوں میں بھی اس فعل کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں اس زمانے میں شادی کے موقعہ پر "رسم جلوہ" ادا کی جاتی تھی۔

شادی کے بعد کی زندگی | شیخ عبدالقدوس نے شادی کے بعد "شغل" باقاعدہ جاری رکھا۔ موصوف کسی دنیاوی کام میں دلچسپی نہیں لیتے تھے اس لئے گھر میں فاقوں تک نوبت پہنچ گئی۔ ان کے بڑے صاحب زادے شیخ حمیدالدین بھوک سے بلکتے تو اپنی والدہ سے کھانا مانگتے۔ والدہ صاحبہ کے پاس کیا رکھا تھا جو انہیں کھانے کو دیتیں وہ بچے سے کہتیں کہ جاؤ اپنے والد سے کھانا مانگو۔ جب بچہ اپنے والد کے پاس جا کر کھانا طلب کرتا تو وہ بچے سے کہتے کہ بیٹا جب وہ جنت میں جائیں گے تو وہاں بہت سی چیزیں کھانے کو ملیں گی۔ بچہ تعجب سے پوچھتا ہے کہ جنت کہاں ہے؟ شیخ عبدالقدوسؒ بچے کا سوال سن کر خاموش ہو جاتے ہیں تو وہ روتا ہوا اپنی والدہ کے پاس چلا جاتا ہے اور وہ بچے کو روتا دیکھ کر وہ بھی رونے

---

۲۴ رکن الدین ۔ لطائف قدوسی ص ۱۱۔

تی ہیں۔ موجودہ زمانے میں بدفہمی میں مبتلا رہنے والے پیروں اور سجادہ نشینوں کو اس واقعہ سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔

ابتدائے سلوک شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ ابتداء میں ان کے والد بزرگوار نے شیخ عارف ابن حضرت احمد عبدالحق رودولوی کے ایک خادم شیخ پیارہ کی صحبت اختیار کی اور ان سے تصوف کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔[۳۵]

شرفِ بیعت شیخ پیارہ سے تصوف کی ابتدائی تعلیم پانے کے بعد حضرت گنگوہی نے شیخ محمد بن شیخ عارف بن شیخ احمد عبدالحق رودولوی سے بیعت کی۔ لیکن فیض اویسی طریقے پر حضرت احمد عبدالحق رودولوی سے اخذ کیا۔[۳۶] اُن کے مرشد ان کے ہم سن تھے اس لئے کچھ دنوں بعد انہوں نے کسی مُسن بزرگ کے ہاتھ پر بیعت کا ارادہ ظاہر کیا۔ انہی ایام میں ایک روز حضرت احمد عبدالحق متجسم ہو کر ان کے سامنے آئے اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگے۔ "کسی دوسری جگہ مت جانا ہم مرے نہیں ہیں"۔[۳۸]

پیر اور مرید کے تعلقات لطائف قدوسی کے ایک اندراج سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت گنگوہی کے مرشد شیخ محمد ان کا بے حد احترام کیا کرتے تھے[۳۹] (ان کی والدہ ماجدہ نے خواب میں حضرت احمد عبدالحق کا اشارہ پا کر اپنی بیٹی کا نکاح حضرت گنگوہی سے کر دیا تھا۔ اس لئے پیر اور مرید میں سالے اور بہنوئی کا رشتہ تھا)

راہِ سلوک شیخ محمد کی بیعت کے بعد شیخ عبدالقدوس نے سلوک کی منازل طے کرنا شروع کیں۔ موصوف اپنے پردادا مرشد شیخ احمد عبدالحق کے مزار کی صفائی اور ان کے لنگر میں جلانے کے لئے ایندھن فراہم کرنے کا ذمہ لیا۔[۴۰] جامع ملفوظات رقم طراز ہیں کہ جمعہ کے روز ان کے والد اپنے مرشد کے پورے خاندان کے میلے کپڑے جمع کرتے اور انہیں تالاب پر جا کر دھوتے اور سکھا کر مالکوں کو واپس پہنچا دیتے۔[۴۱]

شیخ رکن الدین تحریر فرماتے ہیں کہ ابتدائے سلوک میں ان کے والد بزرگوار نماز عشاء کے بعد الٹا لٹک جاتے

---

[۳۵] ایضاً۔ ص ۱۰

[۳۶] ایضاً۔ ص ۹

[۳۷] ایضاً۔ ص ۶

[۳۸] ایضاً۔ ص ۹

[۳۹] ایضاً

[۴۰] ایضاً۔ ص ۱۰

[۴۱] ایضاً۔ ص ۱۱

تھے اور صبح کے وقت خود کو کھولتے تھے۔ یوں الٹا لٹک کر موصوف تمام رات۔ نماز معکوس۔ ادا کیا کرتے تھے [۴۲]
شیخ عبدالحق محدث اپنی مشہور تصنیف اخبارالاخیار میں لکھتے ہیں کہ بابا فریدالدین مسعود گنج شکر نے بھی اُچ شریف کی مسجد جاج کے کنوئیں میں چالیس راتیں الٹا لٹک کر اسی طرح کا ایک چلہ معکوس کاٹا تھا [۴۳] ہم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی سیرت کا بغور مطالعہ کیا ہے اس طرح کی نماز معکوس کسی صحابی نے ادا نہیں کی۔ اور نہ ہی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کرنے کی اجازت دی ہے۔ پتہ نہیں کہ چشتی بزرگوں نے الٹا لٹک کر" نماز "پڑھنے کا طریقہ کسی ہندو جوگی سے سیکھا ہے ؟

ابتدائے سلوک میں حضرت گنگوہی پر دیوانگی کا عالم طاری رہتا تھا۔ موصوف جس راستے سے گزرتے لوگ انہیں آتا دیکھ کر راستہ چھوڑ دیتے اور ایک دوسرے سے کہتے کہ دیوانہ آ رہا ہے دور ہٹ جاؤ۔ کہیں کوئی سخت بات منہ سے نہ نکال دے۔ [۴۴]

ابتدائے سلوک میں حضرت گنگوہی پر جذب و مستی کا عالم طاری ہوتا تو موصوف کوہ و دشت کا رخ کرتے اور دو تین دن تک وہاں قیام فرماتے ان کے مریدان کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتے لیکن ان کے سامنے ہونے کی جرأت نہ کرتے جب مستی ختم ہو جاتی تو آپ خود ہی گھر تشریف لے آتے۔ [۴۵]

جامع ملفوظات میں فرماتے ہیں کہ نوجوانی کے عالم میں ان کے والد بزرگوار کی طبیعت میں حرارت اور جوش کا یہ عالم تھا کہ سردیوں کے موسم میں بھی موصوف اپنے جسم پر ٹھنڈا پانی بہاتے اور ٹھنڈا شربت نوش فرماتے [۴۶]۔

حضرت بایزید بسطامی کے سوانح میں نظر سے گزرا کہ موصوف کڑکڑاتے جاڑے میں یخ بستہ پانی سے بار بار نہاتے۔ ایک روز کسی نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ جو تجلی ان پر وارد ہوتی ہے اس کی کیفیت صرف وہی جانتے ہیں اگر سرد پانی سے بار بار نہ نہائیں تو جل کر ختم ہو جائیں۔

مسند نشینی | شیخ رکن الدین تحریر فرماتے ہیں:- کہ ان کے والد بزرگوار کا یہ ارادہ تھا کہ سب کچھ ترک کر کے جنگل میں جا رہیں۔ اتفاق سے ایک روز حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ بابا فریدالدین مسعود گنج شکر، شیخ احمد عبدالحق

---

[۴۲] ایضاً، ص ۱۸

[۴۳] عبدالحق، اخبار الاخیار، مطبوعہ دہلی ۱۳۳۲ھ ص ۵۳

"بعد ازاں در چاہ مسجد جامع جاج کہ در مقام اُچہ است چلۂ معکوس کشید تا چہل روز، ہر شب دران چاہ بدرفتے کہ بران چاہ بودی آویختند و چون روز می شد بیرونش می آوردند"

[۴۴] رکن الدین، لطائف قدوسی ص ۱۶

[۴۵] ایضاً۔ ص ۱۸

[۴۶] " " ۱۰

جناب محمود عارف صاحب
دانش گاہِ پنجاب۔ لاہور

مدینۂ منوّرہ کے مکاتب اور ان کی تعلیمی خدمات

۲۔ تعلیم گاہ عبدُاللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مدینۂ منوّرہ میں دُوسری عظیم تعلیم گاہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نامور صاحبزادے اور جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی قائم کردہ تھی۔ یہ درس گاہ اپنی عظیم افادیت اور دور رس اثرات و نتائج کی بناء پر ہمیشہ یادگار رہے گی۔ ان کے جلیل القدر باپ نے جو کام سیاسی اور مادی سطح پر کیا۔ عظیم بیٹے نے روحانی اور معنوی سرحدوں پر اس کی تکمیل کی اور اسے مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔

مختصر حالاتِ زندگی نام عبداللہ، کنیت ابو عبدالرحمان۔ والد خلیفۂ دوم سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ والدہ زینب بنت مظعون، مقام پیدائش، مکۃ المکرمۃ اور سن پیدائش ۱۰ یا ۱۱ ق ھ ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ ہی دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کی۔ غزوۂ خندق ۵ھ اور اس کے بعد کے تمام غزوات میں شریک رہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے (۲۴ھ میں) انتخاب خلیفہ کی مجلس کا رکن بنایا۔ لیکن اس حیثیت سے کہ وہ خود کو بطور اُمیدوار پیش نہیں کر سکتے تھے۔ بعد میں تمام زندگی سیاسی علائق سے بے تعلق رہے اور نہایت خاموشی سے دین کی تعلیمی اور علمی خدمت کرنے میں مصروف رہے ۷۳ھ / ۶۹۳ء میں بعمر ۸۳ یا ۸۴ سال سُمّیت خون سے مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔[1]

---

[1] URDU ENCYO. ISLAM، بذیل عبداللہ بن عمرؓ، نیز شاہ معین الدین، سیرۃ الصحابہ ۲، بذیل عبداللہ بن عمرؓ

دور تعلیم و تربیت

حضرت ابن عمرؓ نے آنکھ اس ماحول میں کھولی تھی جس کے در و دیوار پر اسلام کی شعاعیں اپنا جوبن دکھا رہی تھیں۔ اُنھوں نے تقریباً بیس سال کا عرصہ خدمت نبوی صلعم میں اور تقریباً ۳۲ سال کا عرصہ صحبت فاروقی میں گزارا۔ اسلام کی تمام تاریخ اُن کے سامنے اُبھری اور عُروج پر پہنچی۔ تمام غزوات اُن کے سامنے پیش آئے۔ اس لیے ان سے زیادہ خدمت نبویؐ سے اکتسابِ فیض کس نے کیا ہوگا۔ مکثرین صحابہؓ میں طویل صحبت کا یہ خاصہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ اس طویل عرصے کے ساتھ ان کے فطری ذوق و شوق کو بھی شامل کر لیا جائے جو قدرت کی طرف سے اُنھیں عطا ہوا تھا تو اس کی اہمیت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ ان کے فطری ذوق و شوق کا یہ عالم تھا کہ صرف سورہ البقرہ کی تحصیل پر تقریباً چودہ سال صرف کیے[1]

ایک ایک آیت، ایک ایک جملے کو برسہا برس اپنے غور و خوض اور اپنی فکر و نظر کا مرکز بنایا۔ اس کے بارے میں صحابہ اور خود ذاتِ اقدس نبویؐ سے جو کچھ سُنا اسے ذہن کے حاشیے پر محفوظ رکھا۔ اسی لیے ان کے اساتذہ کی فہرست میں ذات نبویؐ کے علاوہ خلفائے راشدین، زید بن ثابتؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، بلال حبشی، صہیب رومیؓ، رافع بن خدیج، ام المومنین حضرت صدیقہؓ، ام المومنین حضرت حفصہؓ کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔[2]

علمی فضل و کمال

یہی وہ خصوصیات اور امتیازی اوصاف ہیں کہ جنھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی شخصیت کو کندن بنا دیا تھا۔ وہ علم کا ایک ایسا بحر بیکراں تھے جس سے ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان سیراب ہوئے۔ لاکھوں کو ان سے فیض پہنچا۔ وہ آنحضرت صلعم کے بعد کم و بیش ۶۰ سال جئے اور اس دوران علم و عرفان کی توسیع و اشاعت میں رات دن مصروف رہے۔ ان کی ثقاہت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے علماء مشکلات میں اُن کی طرف رجُوع کرتے تھے اور اُن کی دیانت پر اعتماد کا یہ عالم تھا کہ اگر کسی بات کی وہ تائید کر دیں تو اس کے بعد مزید کسی تائید یا توثیق کی ضرورت باقی نہ رہتی تھی۔ ان کا ہر قول و عمل لوگوں کے لیے حجت تھا۔ اُن کی ذاتِ اقدس سُنّتِ نبویہ کا ایک کامل نمونہ تھی۔ اُن کا اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا، آنا جانا الغرض ہر بات

---

[1] مؤطا امام مالکؒ۔

[2] ابن حجر، تہذیب التہذیب، ۵: ص ۳۲۸۔ طبع حیدرآباد دکن۔

سُنت نبویہ میں ڈھلی ہوئی تھی۔[۱]

خصوصی علوم | حضرت عبداللہ بن عمرؓ کئی سارے اسلامی علوم وفنون میں دستگاہ کامل رکھتے تھے جن کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

۱۔ **علومِ قرآنیہ** : علوم قرآنیہ میں حضرت ابن عمرؓ کی مہارت ان کے اس علمی ذوق وشوق کا نتیجہ تھی جو انہیں اوائل عمر سے ہی ودیعت ہُوا تھا۔ انہوں نے البقرہ کی تحصیل میں ۱۴ برس صرف کئے تھے۔ قرآن کریم سے اس غیر معمولی شغف نے انہیں تفسیر وتاویل کا غیر معمولی ماہر بنا دیا تھا۔ شروع ہی سے مجالس نبویہ میں شریک ہوتے رہے۔ بعض علمی مسائل کے ادراک میں اور بعض اوقات اکابر صحابہؓ کی عقول بھی ماندہ رہ جاتی تھیں مگر اس کمسن صحابی کا ذہن حقیقت کا ادراک کر لیتا تھا۔[۲] قرآن پاک کے لغوی معانی ومفاہیم، آیات کے شان نزول، علم ناسخ منسوخ کے متعلق ان کے معلومات حیرت انگیز اور حیران کُن تھیں۔ ان سے بسلسلۂ تفسیر قرآن بہت سی روایت منقول ہیں۔ جنہیں کُتب حدیث میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔[۳]

۲۔ **علومِ حدیث** : خدمتِ نبویؐ میں تقریباً بیس سال گزارنے کے بعد اگر انہیں ماہر فی الحدیث کے نام سے پکارا گیا تو اس میں تعجب ہی کیا ہے۔ ان سے کُل روایت کی تعداد ۲۶۳۰ ہے ان میں سے ۱۷۰ متفق علیہ اور ۱۰۲ منفرد (۸۱، بخاری شریف میں ۴۱، مسلم شریف میں) منقول ہیں۔ اس لحاظ سے مکثرین صحابہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے بعد ان ہی کا نام نامی پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان کی روایات تفقّہ، واقعات کا صحیح نقل، واقعات سے صحیح نتائج کا استنباط اور دُوسری کئی ساری خصوصیات کے اعتبار سے منفرد ہیں۔

۳۔ **علومِ فقہ و اجتہاد** : حضرت عبداللہ بن عمرؓ علوم قرآنیہ وعلومِ حدیث میں مہارت تامّہ رکھنے کے ساتھ ساتھ فقہ واجتہاد واستنباط واستخراج مسائل میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ بعد میں حضرت امام مالکؒ نے اپنے فقہی مسلک کی بنیاد زیادہ تر ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ان کے شاگردوں کے

۱۔ ملاحظہ ہو۔ شاہ معین الدین ندوی: سیر الصحابہ، مہاجرین۔ ذکر ابن عمرؓ۔

۲۔ البخاری د فتح الباری، کتاب العلم، باب الفہم وکتاب التفسیر، سورہ ابراہیم، جہاں ان کی قرآن فہمی کا ایک واقعہ مذکور ہے۔

۳۔ ملاحظہ ہو سیر الصحابہ، حصہ مہاجرین ۲ ذکر ابن عمرؓ : ۴۔ URDUENCYOF ISLAM بذیل ابن عمرؓ

فتاوے اور احکام و مسائل پہ رکھی۔ اس لحاظ سے مالکی فقہ کے پس منظر میں ابن عمرؓ کا اجتہاد و تفقہ ہی کارفرما دکھائی دیتا ہے۔[1]

تعلیم گاہ کے کوائف

مسجد نبویؐ کے صحن میں ہی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی تعلیم گاہ قائم تھی۔ اس درس گاہ میں صبح و شام تعلیمات اسلامیہ کے چرچے اور قال اللہ اور قال الرسول کی صدا ہائے بازگشت سُنائی دیتی تھیں۔ لوگ دور دراز سے سفر کر کے ابن عمرؓ کے حلقۂ درس میں شرکت کے لیے تشریف لاتے اور علم و عرفان سے اپنا دامن بھر کر لوٹتے۔ اس دور کی دیگر تعلیم گاہوں کی طرح اس تعلیم گاہ کا نہ ہی کوئی مقررہ نظام تھا اور نہ ہی اصول و ضوابط کا منضبط طریقہ۔ عام طور سے لوگ سوالات پُوچھتے اور حضرت عبداللہ اس کا جواب بمع حوالہ جات عنایت کرتے۔ بعض اوقات خود ہی کسی مسئلہ کو چھیڑتے اور اس کے مالہ و ماعلیہ کو دیر تک بیان کرتے رہتے اور شاگرد دم سادھے سُنا کرتے۔[2]

درس گاہ میں داخلہ کے لیے بھی کوئی شرط نہ تھی۔ ہر مسلمان اُس میں شریک ہو سکتا تھا۔ اس دائمی اور ہمہ وقتی تعلیم گاہ کے علاوہ موسم حج میں خاص مکہ مکرمہ میں ان کی تعلیم گاہ قائم ہوتی اور دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے لوگ اس تعلیم گاہ کے معلّم سے استفادہ کر کے لوٹتے۔ اس موسم میں حضرت ابن عمرؓ کے فتاویٰ بہت جلد قبول عام حاصل کر لیتے۔[3]

ان دو غیر منقولہ تعلیم گاہوں کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمر لوگوں کے گھروں میں تشریف لے جاتے اور احادیث بیان کر کے واپس لوٹ آیا کرتے تھے۔ اس قسم کا ایک واقعہ زید بن اسلم اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ ابن عمر محض ایک حدیث سنانے کے لیے عبداللہ بن مطیع کے ہاں تشریف لے گئے اور ایک حدیث سناتے ہی واپس پلٹ آئے۔[4] اس کے علاوہ چلتے پھرتے آتے جاتے ان کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رہتا۔ جہاں کہیں کسی کو خلاف شرع کام میں مصروف دیکھا فوراً اسے ٹوکتے[5] اور اس کو اس

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلوی : مقدمہ مسویٰ شرح موطا۔

[2] استیعاب ج ۱ - ص ۳۸۱ -

[3] احمد بن حنبلؒ مسند ۱۵۴

[4] موطا امام مالک باب العمل فی الجلوس فی الصلوٰۃ

[5] مستدرک حاکم ج ۳ - ص ۵۶۱ -

سلسلہ میں کوئی حدیث نبویؐ سنا کر مطمئن کر دیتے۔ اس کے علاوہ اُن کی ذاتِ اقدس سے سنت نبویہ کی خود بخود توسیع اور اشاعت ہوتی رہتی۔ کیونکہ اُن کا کوئی کام خلافِ شرع نہیں ہوتا تھا۔ دیکھنے والے اُن کے ہر عمل سے سُنّت کی تعلیم پاتے تھے۔[1]

تلامذہ و مستفدین

ان کے عظیم الشان علمی ذخیرہ کی نسبت سے ان کے تلامذہ کی فہرست بھی نہایت طویل ہے۔ آپ کے چند ایک شاگردوں کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:-

(۱) بلال بن عبداللہ (۲) حمزہ بن عبداللہ (۳) زید بن عبداللہ (۴) سالم بن عبداللہ (۵) عبداللہ بن عبداللہ (۶) عبیداللہ بن عبداللہ (اُن کے اپنے بیٹے) (۷) ابوبکر (۸) محمد (۹) عبداللہ (پوتے) (۱۰) نافعؒ (۱۱) اسلمؒ (دونوں غلام) (۱۲) حفصؒ (۱۳) عبداللہؒ (۱۴) زیدؒ (۱۵) خالدؒ (۱۶) عروہؒ بن زبیر (۱۷) موسیٰ بن طلحہ (۱۸) ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن (۱۹) عامر بن سعد (۲۰) حمید بن عبدالرحمٰن (۲۱) سعیدؒ بن مسیب (۲۲) عون بن عبداللہ (۲۳) قاسمؒ (۲۴) محمد بن ابی بکر (۲۵) مصعب بن سعد۔

(۲۶) ابوبردہ بن ابی موسیٰ بن اشعری (۲۷) انس بن سیرین (۲۸) بسر بن سعید (۲۹) بکر بن عبداللہ المزنی (۳۰) ثابت البنانی (۳۱) جبلہ بن سحیم (۳۲) حرملہ (۳۳) حکم بن میناء (۳۴) حکم بن ابی حرہ (۳۵) حمید بن عبدالرحمٰن حمیری (۳۶) ابوصالح السمان (۳۷) زاذان (۳۸) ابوعمر (۳۹) زبیر بن عربی (۴۰) زیاد بن صبیر (۴۱) ابوعقیل (۴۲) زہرہ بن معبد (۴۳) علی بن عبدالرحمٰن (۴۴) علی بن عبداللہ البارقی۔

(۴۵) عکرمہ بن خالد مخزومی (۴۶) عبداللہ بن قسم (۴۷) عبید بن جریج (۴۸) عبداللہ بن کیسان (۴۹) عبداللہ بن مرّہ ہمدانی (۵۰) عبداللہ بن ابی ملیکہ (۵۱) عقیلیؒ (۵۲) عبداللہ بن شقیق (۵۳) ابوالزبیر (۵۴) سعید بن جبیر (۵۵) مجاہدؒ (۵۶) عطاؒ (۵۷) طاؤسؒ (۵۸) صفوان بن محرز (۵۹) سعید بن عمرو (۶۰) سعید بن یسا (۶۱) سعید بن حارث (۶۲) سعد بن عبیدہ (۶۳) جبیثی (۶۴) زید بن زبیر۔ (۶۵) سالم بن ابی الجعد۔[2]

یہ نہایت مختصر سی فہرست ہے۔ کتب حدیث کے استقصاء سے مزید نام بھی پیش کئے جا سکتے ہیں۔ مگر بخوف طوالت ہم اس سے دامن کش ہونے پر مجبور ہیں۔

---

[1] مستدرک حاکم ۳ : ۵۶۱ ۔

[2] شاہ معین الدین ندوی: سیر الصحابہ مہاجرین دوم، ذکر ابن عمرؓ۔

اثرات ونتائج

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی یہ تعلیم گاہ تاریخ اسلام پر دور رس اثرات و نتائج کی حامل ہے ۔ ان کے بعض جلیل القدر تلامذہ نے حدیث، فقہ، مغازی اور دیگر علومِ اسلامیہ کے بے نظیر خدمت سرانجام دی ہے اور جس کی بنا پر مدینہ منوّرہ کی تعلیم گاہ دُنیائے اسلام میں امتیازی شان اور وصف رکھتی ہے ۔ وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی ہی پُرخلوص کوششوں کا نتیجہ ہے ۔

کتب حدیث میں جو روایت کا سلسلہ، سلسلۃ الذہب (سنہری لڑی) کہا جاتا ہے وہ مالک عن نافع عن ابن عمرؓ ہے ۔

حضرت ابن عمرؓ کی مقدس تعلیمات کے اثرات ونتائج اس قدر زیادہ ہیں کہ اُنہیں چند لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا ۔ مدینہ منورہ کی یہ خصوصیت کہ تقریباً دو صدیوں تک وہ پُوری دُنیائے اسلام کے علم وعرفان کی تعلیم کا مرکز بنا رہا زیادہ تر ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ اور ان کے شاگردوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے ۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی فقہ کی بنیاد زیادہ تر ابن عمرؓ کے اقوال وفتاویٰ پر رکھی۔ اس کے علاوہ امام مالکؒ نے عمل اہلِ مدینہ کو جو حجیّت قرار دیا وہ بھی اسی بناء پر ہے کہ مدینہ منوّرہ میں جو لوگ بستے تھے وہ سبھی اہلِ علم اور اہلِ عمل تھے ۔ ان کے ہر عمل کے پس منظر میں کسی نہ کسی حدیث نبویؐ کا پرتو گمان کیا جاسکتا ہے ۔

بہرحال ابن عمرؓ کے اقوال وآثار آج بھی کل فقہ کی صُورت میں دُنیا کے ایک وسیع علاقے کو اپنی نورانی کرنوں سے منوّر بنا رہی ہے ۔ ابن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا کام اور ان کی محنت کبھی نہیں مِٹ سکتی ۔

مولانا عبدالقدوس گنگوہی

حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور کئی دوسرے ولیوں کی ارواح حاضر ہوئیں۔ انہوں نے موصوف کو خرقے عطا کئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں حکم دیا کہ وہ سجادہ پر بیٹھ کر لوگوں کی رہنمائی کریں۔ اس فرمان پر آپ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا اور "ناچار" سجادہ پر بیٹھے ۵۳ "تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ہزاروں لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ کی اور بہت سے لوگ اُن کی توجہ سے منصب ولایت پر فائز ہوئے۔ اسی ضمن میں جامع ملفوظات نے شیخ بھورہ کا ذکر کیا ہے۔ موصوف ہر وقت شراب کے نشے میں دھت رہتے تھے حضرت گنگوہی کی کوشش سے انہوں نے شراب نوشی ترک کر دی اور جملہ صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے توبہ کر لی۔ شیخ کی توجہ سے وہ منصب ولایت پر فائز ہوگئے۔ ۵۴

مولانا محمد اسحاق خان
مبعوث سعودی عرب برائے دبئی
عرب امارات

یوں تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی نہ کوئی حد ہے نہ انتہاء ، نہ بندہ ان کا شمار کرسکتا ہے۔ نہ اس کے بس میں ہے۔
قرآن اس کا اعلان کرتا ہے اور واقعہ ونفس الامر اسکی تصدیق وتائید کرتا ہے ، لیکن ان بے شمار نعمتوں اور بے حساب عنایتوں میں سب سے بڑی نعمت اور قدرت کی سب سے بڑی عنایت ایمان کی عنایت ونعمت ہے ، اس نعمت سے نہ صرف یہ کہ اخروی زندگی کی لامحدود عنایات سے سرفرازی نصیب ہوتی ہے ، بلکہ اس سے اس دنیا کی یہ محدود زندگی بھی جنّت کا سماں پیش کرسکتی ہے ، کیونکہ ایمان کی لذّت نصیب ہوجائے تو دنیا کی زہرہ گداز تکلیفوں اور مصیبتوں میں بھی بندہ مومن ایک ایسی لذّت محسوس کرتا ہے کہ دوسرے اسکو سمجھ بھی نہیں سکتے ، حتیٰ کہ وہ جب مصائب وآلام کے ان پہاڑوں تلے دب کر مرنے کو آجائے تو بھی ع " چوں مرگ آید تبسّم برلب اوست " کا سماں پیش کرتا ہے۔
اور اسلام کی سنہری اور مقدّس تاریخ ایسے شواہد سے بھری پڑی ہے ، کاش ! کہ ہم آج بھی اپنے مایۂ ناز اسلاف اور اپنے قدسی صفات اکابر کی تاریخ وسوانح سے یہ درسہائے عبرت حاصل کرسکیں ! وہ دیکھئے اسلام کی اسی مقدس تاریخ کے ایک نورانی صفحے پہ روشن ستارے کی طرح چمکنے والا ایک مقدس نام نور کی شعائیں پھیلا رہا ہے۔ یہ نام صحابیٔ رسول (علیہ افضل الصلوات والتسلیمات) حضرت عبداللہ بن نہم کا ہے۔ یہ نو ابھی اسلام کے حظیرۃ القدس میں داخل نہیں ہوا ، لیکن اسلام کی حقانیت اس کے دل میں گھر کرچکی ہے ، وہ اسلام کے اس نور کیطرف بڑھنا چاہتا ہے۔ لیکن ماحول اسکی اجازت نہیں دیتا ، گردوپیش نفرت اور منع خیر کی جو بلند دیواریں کھڑی کردی گئی ہیں ان کو عبور کرنا بڑے جگر گردے اور جان جوکھوں کا کام ہے ، سب سے بڑی اور سب سے پہلی رکاوٹ اس کے چچا کا وجود ہے ، جو اس کا والی ومتولی ہے اور کفر کی نجاست اس کے رگ وپے میں سرایت کرچکی ہوئی ہے ، حق کی کوئی آواز نہ سننے کو تیار ہے نہ ماننے کو۔ ایسے شخص کے سامنے ایمان کی بات کرنا اپنی موت کو دستاویز پہ دستخط کرنے کے مترادف ہے۔ اس کے لئے کوئی کیسے تیار ہو ، لیکن وہی بات کہ جب ایمان کی لذّت وحلاوت نصیب ہوجائے تو اس دنیا و دول

کی تکلیف میں بھی لذت و مسرت کے سامان نظر آنے لگتے ہیں۔ اور کیا خوب کہا کہنے والے نے ؎

لذت ایں بادہ ندانی بخدا تا نہ چشی

یعنی خدا کی قسم اس مئے کی لذت اس وقت تک جان نہیں سکو گے جب تک چکھو گے نہیں، بہرحال ان تمام خطرات اور مشکلات کے باوجود ایک دن حضرت عبداللہ بن نہم دل کی کہنے کو سینہ تان کر باہر نکل گئے اور چچا سے صاف صاف مگر باادب کہہ دیا: جانِ عم! یہ دین جو نیا آیا ہے دینِ حق ہی معلوم ہوتا ہے، کیوں نہ ہم اس خیر کیطرف سبقت کر لیں۔

اپنے زیرِ اثر اور زیرِ تربیت بھتیجے سے یہ بات سنتے ہی کفر کے کرم خوردہ اس چچا کی رگ کفر پھڑکی، کان کھڑے ہو گئے، بھویں تن گئیں، رگیں پھول گئیں، آنکھیں سرخ ہو گئیں اور منہ سے جھاگ اور آنکھوں سے آگ کے شرارے چھوڑتے اور غضبناک اژدہے کی طرح پھنکارتے ہوئے بولے: ہاں ہاں! عبداللہ، یہ کیا کہا۔ اور میں کیا سن رہا ہوں، ہوش میں ہو، جانتے ہو کہاں کھڑے ہو اور کس سے کیا بات کہہ رہے ہو۔؟ اس خطرناک بات اس کے انجام اور میری پکڑ و سرزنش کا کچھ پاس و احساس ہے کہ نہیں؟ اور جانتے نہیں ہو کہ میں تم سے کیا کچھ کر سکتا ہوں؟ خبردار! جو ایسی بکواس میں دوبارہ سننے پاؤں، مگر وہی بات کہ جب ایمان کی لذت نصیب ہو جائے تو پھر یہ سب کچھ ہیچ ہے، مومن صادق کو ایسے امور کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی، عبداللہ بن نہم یہ سب کچھ جانتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور یہ سب کچھ جاننے کے باوجود انہوں نے اس حق و حقیقت کا یہ اعلان اس طور پر کیا جو ان کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی اس لئے بولے چچا جان بیشک میں نے جو کہا پوری دیانت و بصیرت سے کہا آپ جو مرضی کر گذریں میں تو ہر انجام بھگتنے کیلئے پہلے سے ہی تیار ہو کر راہ حق میں نکلا ہوں، مومن صادق کے اس سادہ اور بصیرت افروز جواب سے چچا کے غضب کی آگ اور تیز ہو گئی، اسکی لپکیں تیز سے تیز تر ہو گئیں، اسکی باچھیں کھل گئیں، دانت نکل آئے، آستینیں چڑھا لیں اور بولے دیکھو اگر تم باز نہ آئے تو میں تم سے مال و منال سمیت وہ سب کچھ چھین لوں گا جو اب تک تمہیں دے رکھا ہے۔

مگر یہاں پھر وہی حقیقت سامنے آتی ہے کہ لذتِ ایمان نے ہر مشکل آسان کر دی تھی، عبداللہ بولے چچا جان بیشک میں اس سب کیلئے تیار ہوں۔ کیونکہ میں جان چکا کہ یہ دین حق ہے اور یہ حقیقت میری رگ و پے میں سرایت کر چکی ہے، میں اسے نہیں چھوڑ سکتا، آپ جو مرضی اپنی بھڑاس نکالنے کیلئے کر گزریئے۔

چنانچہ فیصلہ کن مرحلہ آ گیا، چچا کے اس قدر خوف اور ڈراوے کے باوجود بھتیجا نے اس حقیقت کا اعلان اظہار کر دیا جو عرصہ سے ان کے قلب و قالب کو گرما چکی تھی، جس نے ان کے باطن کو روشن و منور کر دیا تھا اور جو ان کے رواں رواں میں موجزن ہو چکی تھی۔ یہی کہ سچا دین اور حق صرف اور صرف اسلام ہے، وہی دینِ حق جسکو

محمد عربی صلوات اللہ وسلامہ علیہ لیکر آئے ہیں، نیلے آسمان کے نیچے اور خاکستری دھرتی کے اوپر دوسرا کوئی مذہب نہ ایسا ہے نہ ہو سکتا ہے، یہی وہ سچّا اور برحق دین ہے، جسے آخری اور کامل دین کے طور پر قادرِ مطلق رب قدیر نے انسانیت کی فوز و فلاح کیلئے چن لیا ہے، اور اس کے اظہار و قبول کیلئے شہادت کا وہ کلمہ پڑھ لیا جو اسلام کے حصنِ حصین کا پہلا اور مقدس باب ہے، چچا نے بھی وہی کیا جسکی دھمکی وہ اس سے قبل اپنے بھتیجے کو کئی بار دے چکا تھا۔ اس سے سب کچھ چھین لیا حتی کہ اس کے تن سے وہ کپڑے بھی اتار لیئے جو اس کا ستر ڈھلپنے ہوئے تھے، اور اس قاسی القلب نے حضرت عبداللہ کو بالکل ننگا کر دیا، قصور صرف یہ تھا کہ انہوں نے حق کو کیوں قبول کر لیا، اور اس بات کا اظہار و اعلان کیوں کر دیا جو ان کی فطرت سلیمہ ایک عرصہ سے قبول کر چکی تھی۔ لیکن اس انسانیت سوز سلوک سے بھی حضرت عبداللہ کے عزم و استقلال اور پختگی و استقامت میں کوئی فرق نہ آیا، نہ کوئی تاسف نہ تامل، بلکہ یقین میں مزید پختگی اور استقامت، پائے استقلال اور راہِ عزیمت میں کسی لغزش کا کوئی سوال ہی نہیں، ماں کی ممتا کام آئی اور انہوں نے ایک چادر لاکر دی تن پر ڈال کر اور تن پوشی کر کے دربارِ رسالت میں حاضری دی۔ ان کے دل کی مسرتوں اور قلبی اطمینان کی کیفیت کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ پھر یہ مومنِ صادق حلاوتِ ایمان کی دولت سے سرشار حضرت رسالت پناہ کے ساتھ ایک جہاد میں شریک ہوتا ہے۔ اور اسلام کیلئے لڑتے ہوئے راہِ حق میں اپنی جان جان آفرین کے حوالے کر دیتا ہے اور اسطرح جان و مال سمیت پوری متاعِ عزیز کی بازی لگاتے ہوئے اپنے خالق و مالک سے جاملا، سچ کہا کہنے والے نے ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی　　　حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

پھر اس خوش نصیب مسافرِ آخرت کے جسدِ خاکی کو حضرت رسالت پناہ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے لحد میں اتارا اور یہ دعا فرمائی اللھم انی امسیت راضیا عن صاحب ھٰذا القبر فارض عنہ۔ الخ اے اللہ میں اس قبر والے سے راضی ہو گیا تو بھی اس سے راضی ہو جا اور اسے جنّت کے اعلیٰ مقامات میں جگہ نصیب فرما یہ دعا سنتے ہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اچھل پڑے اور روتے میں فرمایا: یالیت کنت مکانہ۔ اے کاش! میں اس قبر والے کی جگہ ہوتا (تاکہ یہ دعا مجھے ملتی) یہ ہے لذّتِ ایمان جو ہر مشکل و مصیبت کو آسان کر دیتی ہے اور جس کا انجام اس طرح ہوتا ہے۔ آج بھی اگر بغور دیکھا جائے اور حالات کا عمیق نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ کہنا پڑے گا کہ مسلمانوں کی تمام مشکلات اور پریشانیوں کا بنیادی اور اصل سبب ایمان کی کمزوری ہے، اگر حلاوتِ ایمان نصیب ہو جائے تو مومن کی کائنات دگرگوں ہو جائے قرآن پاک میں ایک جگہ ارشاد ہے: ایمان والو! تم مومن ہو جاؤ۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے: عزّت و سربلندی تمہاری ہے بشرطیکہ تم ایمان میں کامل ہو جاؤ۔ اور لذّت و حلاوتِ ایمان کی یہ دولت قربانی و محنت کے بغیر حاصل ہونے والی نہیں جسکے بہت سے طریقے ہیں مگر ان میں سب سے آسان مفید اور مؤثر طریقہ یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کیساتھ انکے طریقے کے مطابق وقت لگایا جائے کیونکہ انکی اصل محنت ایمان پر ہے اور اسکے اثرات ساری دنیا میں نمایاں ہیں۔ ٭٭٭

پشتو میں سیرت کی کتابیں

قسط ۳

از جناب ڈاکٹر سعید اللہ قاضی
پروفیسر اسلامیات پشاور یونیورسٹی

سردار دو عالم

کتاب کے مصنف کا نام مرزا عبدالرحیم ہے۔ جو موضع نقانہ ملاکنڈ ایجنسی کے رہنے والے ہیں۔ کتاب مطبع رحمانی بازار خواجہ گنج مردان سے طبع ہوئی ہے۔

البتہ سن طباعت معلوم نہیں ہے کتاب ۱۰۴ صفحات پر مشتمل ہے اور مکمل نہیں ہے۔

مولف نے نظم و نثر دونوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات تا وفات مادر شا بیان کئے ہیں۔ عام طور پر نعت زیادہ لکھے ہیں اور حالات کم۔ البتہ کہیں کہیں حسب سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نثر میں بیان کرتے ہیں وہاں نعت بھی اسی مناسبت سے لکھتے ہیں اور دونوں کے درمیان ربط قائم کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں خیالات منظم نہیں ہیں مصنف کو جو جی پسند آئی ہے وہ سپرد قلم کیا ہے۔ مصنف جگہ جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اردو نظموں میں بھی کرتے ہیں۔ مثلاً

نہ ہوتا گر فروغ نور پاک رحمت عالم
نہ ہوتی خلقت عالم نہ گلزار جناں پیدا
شہہ لولاک کی باعث حبیب پاک کی باعث
جناب حق تعالیٰ نے کئے کون و مکاں پیدا
رسول اللہ کی خاطر کئے جن و بشر خاضر
بنایا ماہ انجم کو کئے ہیں بحر و کاں پیدا
انہیں کے واسطے آدم انہیں کے واسطے حوّا
انہیں کے واسطے کاتی کئے کون و مکاں پیدا

پشتو اشعار میں اکثر مقامات پر روانگی نہیں ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصنف کی پہلی کوشش ہے اور اشعار بنانے میں جن اصول و قواعد کا خیال رکھا جاتا ہے مصنف نے ان کا خیال نہیں رکھا۔

مصنف پشتو لکھنے میں کبھی کبھار حروف کی غیر ضروری زیادتی کرتے ہیں مثلاً "پښتنو" یعنی "پشتونوں" کی جگہ "پښتانو" بزیادت الف لکھا ہے جو غلط ہے۔

ہاں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ یہ لوگ لفاظی کے قائل تھے نہ شہرت کے خواہش مند۔ وہ مخلص تھے اور بقدرِ استعداد دین کی خدمت کرنا اپنے لئے سعادتِ دارین سمجھتے تھے۔ اس لئے ان لوگوں کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا اور ان کے دینی جذبات کو مدنظر رکھنا عین ان کے دلوں کی ترجمانی ہوگا۔

د بنیانو امام

زیرِ نظر کتاب الحاج محمد خان میر بلالی کی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک منظوم شاہکار ہے جو انہوں نے جیل میں لکھی ہے۔ کتاب ۱۳۷۵ھ سرحد الیکٹرک پریس پشاور سے شائع ہوئی ہے کتاب ۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے اس میں سنہ ۸ ہجری تک کے حالات منظوم شکل میں بیان کئے گئے ہیں۔ البتہ کتاب کا کافی حصہ حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت اسمٰعیل علیہم السلام کے حالاتِ زندگی کو وقف کیا گیا ہے۔ کتاب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے عام دنیا کے حالات بھی دئے گئے ہیں۔

ایک اور اہم چیز جس کا مولف نے اس کتاب میں تذکرہ کیا ہے وہ سورکاوٹی اور امبیلے کی لڑائیاں ہیں جو ۱۸۶۳ء (کتاب میں یہ غلطی سے ۱۸۸۳ء لکھا گیا ہے) میں انگریزوں اور مجاہدین آزادی کے درمیان ہوئی تھیں اور جن میں انگریزوں کو ناقابلِ فراموش شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اور جس کے بعد انہوں نے کبھی بونیر پر قبضہ کرنے کی ہمت نہیں کی۔

مولف سیرت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر تبصرہ کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان تبصروں میں سے بعض کا یہاں ذکر کرنا نہایت سودمند ہوگا۔ اور شاید ہمارے قارئین کرام ان سے سبق حاصل کریں۔

"اسلام کی انقلابی دعوت" کے عنوان کے تحت مولف اسلام کی عالمگیریت پر بحث کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیغام انسانیت کو دیا وہ کسی خاص طبقے کے لئے نہیں ہے وہ کالے، سفید، مالدار، غریب، مزدور اور آقا تمام کے لئے ہے۔ اسلام ان تمام کو ایک خدا پر ایمان لانے کی تلقین کرتا ہے جو دوسرے تمام معبودوں سے نجات دیتا ہے۔

مولف کہتے ہیں کہ انقلاب کسے کہتے ہیں۔ کیا یہ انقلاب نہیں ہے کہ امیر اور غریب قریشی اور حبشی اسلام کی نظر میں برابر ہیں؟

عورت کو جو مقام دیا گیا جو اس کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیا گیا تھا اور یتیم کی کفالت، مسافروں کی حرمت، جنگ میں عدل و انصاف برتنے کا جو انتظام کیا گیا اس کو انقلاب نہیں کہتے؟ کیا یہ انقلاب نہیں کہ محمود اور ایاز۔ آقا اور غلام۔ بلا کسی امتیاز شانہ بشانہ خدا کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں؟

اسلام کے پنج بنا کے بارے میں حاجی بلالی لکھتے ہیں:-

اسلام کا پہلا رکن کلمہ ہے یعنی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ " لا " کا معنی ایک پروردگار کے سوا باقی تمام خداؤں کے وجود سے انکار ہے۔ مددگار اور حاجت روا صرف اور صرف اس کی ذات ہے۔

اور " الا اللہ" کا مفہوم یہ ہے کہ خالق اور رازق کائنات صرف ایک اللہ کی ذات ہے ۔ پھر کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا کہنا کوئی آسان کام نہیں ہے ۔ اس کے بارے میں صحیح معلومات حضرت بلال حبشیؓ سے حاصل کئے جا سکتے ہیں ۔ جو کوئی یہ کلمہ پڑھتا ہے وہ باقی تمام جہان سے رخ موڑ کر صرف ایک اللہ کا بندہ ہونے کا اقرار کرتا ہے ۔

اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے ۔ مؤلف کہتے ہیں کہ نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز اور ملاقات کا ذریعہ ہے مگر افسوس ہے کہ ہم نماز کی حقیقت سے بے خبر ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ذلیل وخوار ہیں ۔

اسلام کا تیسرا رکن حج ہے ۔ حاجی بلالی کہتے ہیں کہ حج مؤتمر عالم اسلامی ہے ۔ مساوات ، احساس ذمہ داری ، روحانی پاکیزگی اور جفاکشی سیکھنے کے لئے حج بہترین ادارہ ہے ۔ حج کا مطلب اخوت اسلامی کے جذبے کو اجاگر کرنا ہے اور دنیا کو اپنی طاقت ، نظم وضبط ، مساوات اور اتحاد واتفاق کا ایک عملی نمونہ پیش کرتا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمیں حج کی حقیقت معلوم نہیں ۔ ہم جیسے جاتے ہیں بغیر کوئی مفید تاثر لئے واپس آتے ہیں ۔

اسلام کا چوتھا رکن زکوٰۃ ہے ۔ زکوٰۃ مسلمان قوم سے اقتصادی ناہمواری دور کرتی ہے اور ان کے درمیان قربانی کا جذبہ پیدا کرتی ہے ۔ زکوٰۃ امیر اور غریب کے درمیان محبت پروان چڑھاتی ہے ۔ لیکن افسوس کہ خیرات و صدقات کا جذبہ مسلمان قوم میں یکسر مفقود ہے اور اگر ہے بھی تو صرف نام ونمود اور احسان جتانے کے لئے ۔

اسلام کا پانچواں رکن روزہ ہے ۔ روزہ نفس کو پاکیزگی بخشتا ہے جس سے روح کو تقویت ملتی ہے ۔ روزہ انسان میں صبر و استقامت اور خود اعتمادی پیدا کرتا ہے ۔ روزہ خدا کی نعمتوں کے نزول کا سبب ہے ۔ یہ مومن کا سینہ معرفت الٰہی سے بھر دیتا ہے ۔ روزہ امیروں کے دلوں میں غریبوں کے ساتھ ہمدردی کا احساس پیدا کرتا ہے ۔

مؤلف قرآن کریم پر عمل کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں :-

خدا نے انسانوں کی طرف ایک رسول اور ایک قرآن بھیجا ہے لیکن اس کے ساتھ لوہا بھی بھیجا ہے ۔ اگر قرآن نے ایک طرف روحانی دنیا کو آباد کیا ہے تو لوہے نے دوسری دنیا کو آباد کیا ہے ۔

خدا نے قرآن کریم میں فرمایا ہے وانزلنا الحدید (ہم نے لوہا اتارا ہے) اور یہ اس لئے کہ لوہا اسلام کی عمارت کے لئے ایک ستون کی حیثیت رکھتا ہے ہم قرآن کو تو پڑھتے ہیں لیکن قرآن کی حقیقت سے بے خبر ہیں یہ تو قرآن ہی میں ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حکمت دی گویا وہ خیر کثیر سے نوازا گیا ۔ (ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیراً) حکمت کیا ہے ؟ موجودہ زمانے کی ٹیکنالوجی تو ہے ۔ یہی حکمت لوہے کو ہوا میں اڑانے کی اہلیت پیدا کرتی ہے ۔ اگر ہوا میں آج کل جہاز بغیر پروں کے اڑتے ہیں تو حقیقت میں یہی قرآن پر عمل ہے ۔ بندوق ۔ عمدہ تلوار ۔ بم ۔ توپیں ٹینک ۔ اور جہازوں کا بنانا ۔ فوجوں کی تعداد میں اضافہ کرنا ، ایٹم بم اور ہر قسم کے اسلحے کی تیاری یہاں تک کہ ہر نئی چیز کی ایجاد عین قرآن پر عمل ہے ۔

دنیا میں امن قائم رکھنا، اسلام کو سربلند کرنا، آپس میں اتحاد و اتفاق سے رہنا اور بے اتفاقی اور نفاق سے دور رہنا حقیقت میں قرآنی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔

قرآن کریم توحید کی تعلیم سے بھرا پڑا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری زندگی توحید کی تعلیم دینے میں صرف کی یہ اس لئے کہ توحید اسلام کی بنیاد ہے اس سلسلے میں حاجی بلالی فرماتے ہیں۔

کہ جو چیز کہکشاں سے اوپر اڑتی ہے اور مریخ سے کنکر لاتی ہے اور جو بحر الکاہل میں، میں گہرائی تک جاکر موتی اور جواہرات نکالتی ہے کیا یہ خدا کی وحدانیت کی دلیل نہیں ہے۔

دیکھئے دوربین اور خوردبین کو جو نہایت باریک چیزوں کو قابلِ دید بناتے ہیں۔ اگر آپ ان چیزوں پر غور کریں گے تو آپ کو خدائے واحد کی قدرت آشکارا ہو جائے گی۔

بجلی کے منفی اور مثبت اجزا کو دیکھئے جن کو اگر مناسب طریقے سے ملا دیا جائے تو دنیا میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے، اور دنیا میں ہر ایک چیز کا وجود منفی اور مثبت اجزا کا مرہون منت تو ہے ذرا مٹی کو تو دیکھ لیجئے خدائے واحد نے اس میں کتنا کمال رکھا ہے۔

خوردبین کو دیکھئے۔ اس میں طاعون کے جرثومے صاف نظر آتے ہیں۔ دنیا کی ایک بڑی مخلوق جو عام آنکھ سے مخفی ہے۔ خوردبین سے وہ دیکھنے میں آتی ہے۔ کیا ان میں سے ہر ایک چیز، خدا کی قدرتوں کے بارے میں علم حاصل کرنے کے لئے ایک الگ الگ یونیورسٹی نہیں ہے؟ کیا یہ تمام چیزیں ہر گھڑی بزبان حال یہ اعلان نہیں کرتیں کہ ان کا خالق صرف ایک اللہ ہے اور وہ ساری کائنات کا شہنشاہ ہے۔

کیا یہ اس ایک اللہ کی قدرت کی دلیل نہیں ہے جس نے شہد کی مکھی کو شہد بنانے کا طریقہ سکھایا۔ جس نے مکڑی کو جالا بنانے کا علم دیا جس نے پھولوں میں رنگینی اور بو پیدا کی جس نے پھلوں میں لذتیں اور آگ میں حرارت پیدا کی۔ یہ کون ہے جس نے آسمان سے بارش نازل کی۔ شہد کی مکھی کے فضلہ کو شہد بنایا۔ ریشم کے کیڑے کو ریشم بنانے کی اہلیت دی۔ یہ کون ہے جو کیڑے کو خوراک دیتا ہے۔

مٹی سے انار، شفتالو، انگور، سردے، انناس اور آلو وغیرہ کون نکالتا ہے۔

یہ وہ خدائے واحد لاشریک لہ ہے جو سارے عالم کا خالق ہے۔ حاجی بلالی پھر خدا کی وحدانیت پر قرآن سے دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر ایک خدا کے علاوہ کوئی دوسرا خدا ہوتا تو اس دنیا کا نظام درہم برہم ہوتا (لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا)

مؤلف مزید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان گنت نعمتوں سے نوازا ہے۔ آئیے دیکھیں کہ لفظ نعمت کی تشریح قرآن میں کیا ہے؟ چنانچہ وہ اس کی تشریح میں لکھتے ہیں:-

نیک عمل خدا کی ایک بڑی نعمت ہے اور اللہ پاک جس کو بھی نیک عمل کی توفیق دیتا ہے وہ گویا اس کو ایک بڑی نعمت سے نوازتا ہے وہ کہتے ہیں کہ آج یورپ والے علم۔ محنت۔ تنظیم۔ صفائی۔ اتحاد۔ محبت۔ مروت۔ ہمدردی۔ تعاون اور بھائی چارے کی نعمتوں سے مالا مال ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ وہ ساری دنیا پر حاوی ہیں لیکن ہم مسلمان اتحاد و اتفاق کے دشمن۔ کاہل۔ جاہل۔ بے تنظیم بے نظام۔ کتنی بڑی نعمتوں سے محروم ہیں۔ اور اللہ پاک نے وعدہ کیا ہے کہ زمین کی خلافت وہ صالح اعمال رکھنے والوں کو دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یورپ والے ہم سے اعمال میں اچھے ہیں۔ اس لئے کہ نظام حکومت ان کے ہاتھ میں ہے۔ ہم تو ان کے زیر اثر پسے جا رہے ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت سے بے بہرہ ہیں۔

مؤلف کہتے ہیں علم۔ اتحاد۔ امن۔ قوت اور سلطنت خدا کی نعمتیں ہیں۔ اور ان کا حصول خدا کی نعمتوں کا حصول ہے اور ان سے محرومی خدا کی نعمتوں سے محرومی ہے۔

مؤلف اپنی بات ختم کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

اچھی اولاد اور اچھی بیوی۔ قوت اور طاقت۔ قرآن اور اسلام۔ نبوت۔ صداقت۔ شہادت۔ صلاحیت۔ اور دنیا کی تمام چیزوں پر تصرف حاصل کرنا۔ یہ تمام خدائے واحد اور لاشریک لہ کی بیش قیمت نعمتیں ہیں اور ان کا حصول ہے لیکن صد افسوس کہ مسلمان ان نعمتوں سے محروم ہیں۔ (باقی آئندہ)

شہیدین کی تحریک

کسی بھی نام کو مورخوں کی سہل انگاریوں نے محفوظ کرنے کا حق ادا نہیں کیا۔ ان کی جہاد کی زندگی کے ماضی نے ہمیں آج جشن منانے کی فرصت نصیب کی ہے۔ آیئے! جشن کی ان روشنیوں میں ہم خون کے ان چراغوں کو نہ بھول جائیں جنکی جگمگاتی لوئیں آج بھی ہمارے دلوں میں عزم و ہمت کی قندیلیں روشن کر سکتی ہیں۔ اور دنیا کی بڑی سے بڑی قوت سے ٹکرا جانے اور اس کے مقابلے میں اپنی آزادی و استقلال کو زندہ و پائندہ رکھنے کی ہمت عطا کر سکتی ہیں۔ برصغیر میں شہیدینؒ کی تحریک ہو یا داغستان میں زار روس کے خلاف امام شاملؒ کی جد و جہد شمالی افریقہ میں عبدالکریم الریفی اور عبدالقادر الجزائری کا جہاد ہو یا سوڈان میں مہدی سوڈانی اور عثمان دقنہؒ کے معرکے ان سب کے خون کی مشعلوں نے غلامی کی تیرہ و تار رات کو گذارنے کیلئے روشنی کا کام کیا، حتیٰ کہ آزادی و حریت کا سورج طلوع ہوا۔ آئیں ہم ان سب کے درجات کی بلندی اور ان کے نقش قدم پر لہو کے چراغ جلانے کی ہمت ذات ایزدی سے دعا مانگیں کہ جسکے گھر میں کوئی کمی نہیں۔

ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔ ربنا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنا ربنا فاغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیاٰتنا وتوفنا مع الابرار۔ اللّٰھم صلی علیٰ سیدنا ومولانا محمد وعلیٰ اٰلہ واصحابہ اجمعین وبرحمتک یا ارحم الرحمٰن۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

افکار و تاثرات

محترم ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب - لاہور

اسلامی نظام کا نفاذ
اور
تدریجی پروگرام

بکرم و محترم جناب مولانا سمیع الحق صاحب - السلام علیکم

مزاج شریف !

میں نے آپ کے مجلہ الحق تازہ ترین کا مطالعہ کیا - اس پرچے کے نقش آغاز میں آپ نے اسلامی نظام کے نفاذ کے بارے میں کچھ تبصرہ کیا ہے - اس مقالے کے مندرجات بالعموم صحیح ہیں - لیکن آپ کے بعض جملے میرے نزدیک زیادہ غور کے مستحق ہیں - مثلاً مرغی اور انڈے کی بحث میں میرا خیال ہے کہ آپ ایک بات کو نظر انداز کر جاتے ہیں - میں جنرل صاحب کی رائے یا آراء کا پابند نہیں مگر ان کی اس بات میں بڑا وزن ہے کہ اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ایک معقول تدریجی پروگرام کی ضرورت ہوگی - یہ تدریجی پروگرام عبادات اور اخلاقیات اسلامی کے سلسلے میں نہیں ہوگا کیونکہ وہ تو دائمی قطعی اور اٹل ہیں - بلکہ معاملات و قوانین کے اس حصے سے متعلق ہوگا جو غیر اسلامی حکومتوں کے زمانے میں ساقط العمل رہا اور اب مسلمانوں کی حکومت آجانے کے بعد اس کا از سر نو نفاذ ضروری ہے - مثلاً تعزیرات اسلامی - یہ تعزیرات اسلامی نئے ماحول کے مطابق نئے ایکٹوں کی صورت میں نفاذ پائیں گے - نصوص کی روشنی میں ان نئے ایکٹوں کے لئے نئی لفظیات اختیار کرنی پڑیں گی اور جرائم کے جو نئے نئے انداز نکل آئے ہیں ان سب سے اعتناء کرنا پڑے گا - ظاہر ہے کہ اس کے لئے کچھ تھوڑا وقت درکار ہوگا - جرم و سزا کی قسمیں اور نئی صورتیں مدنظر رکھے بغیر نصوص پر عمل اس وقت مکمل نہیں ہو سکتا - اس لئے ہونا یہ چاہیے کہ اعلان تو فوراً ہو جائے کہ حکومت تعزیرات اسلامی کے نفاذ کا مکمل ارادہ رکھتی ہے - لیکن ایک معین مدت ایکٹ بنانے کے لئے دی جائے تاکہ جامع ایکٹ (قرآن و سنت کی روشنی میں) مرتب ہو جائیں -

اسی طرح " ماڈرنٹی " یعنی جدید دور کی معاشرتی قدریں اور شکلیں ہیں ، یہ چونکہ معاشرے کے ایک بڑے حصے

حصہ میں سرایت کر چکی ہیں۔ اس لئے اس بات کا تجزیہ بڑا ضروری ہے کہ ان کا کونسا حصہ قابل عمل قرار دیا جائے۔ یعنی کونسا حصہ ترمیم و اضافے کے ساتھ اپنے فکری و دینی نظام عمل میں جذب کر لیا جائے۔ یہ کوئی معمولی کام نہیں بڑا طویل عمل ہے اس کے لئے علوم جدیدہ اور جدید معاشریات کا گہرا مطالعہ قرآن مجید اور شعوریات اسلامی کی روشنی میں کرنا پڑے گا ہم جتنے بھی دیندار کیوں نہ ہو جائیں ماڈرنٹی کے اچھے حصے سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اور اگر ہم نے بے نیازی اختیار کی تو عام ردّیہ یہ ہوگا کہ عام لوگ مغربی معاشریات کو اختیار کرتے جائیں گے۔ بلا تنقید۔ جیسا کہ آج کل ہم دیکھ رہے ہیں اس سے بہتر ہے کہ جو صورت حال یا مجبوری پیدا ہو گئی ہے اس کا جائزہ ضرور لیں۔

علماء کا فرض ہے کہ وہ "جدیدیات" کے مطالعہ سے گریز یا انکار نہ کریں بلکہ ان کا بغور تجزیہ کریں۔ اور صالح تنقید کے ساتھ ضروری امور کو اختیار کریں باقی کو ترک کر دیں۔

اندریں حالات تدریج کے لفظ سے گھبرانا نہیں چاہئے۔ یہ بڑا وسیع گہرا اور پیچیدہ مسئلہ ہے۔ بلاشبہ بقول آپ کے "اسلامی کتب خانہ مدون شکل میں سب باتوں سے مالا مال ہے" لیکن معاف فرمائیے اس کتب خانے میں جدید معاشریات کسی جگہ موجود نہ ہوگی کیونکہ جدید معاشریات تو جدید زمانے میں ہی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اپنے پرانے کتب خانے میں جدید معاشریات کا اسلامی تجزیہ بھی شامل کرنا چاہئے۔ ورنہ لوگ آپ کو پیچھے چھوڑ جائیں گے اور بالآخر مغرب کی ساری معاشریات کو آپ کی اجازت کے بغیر قبول کرتے جائیں گے۔

میری ذاتی رائے میں نفاذ شرع اسلامی کے سلسلے میں "دونوں طرف" کوئی پروگرام نفاذ کے طریقے کے بارے یہ ابھی تک سامنے نہیں آیا۔ یہ سب باتیں غور طلب ہیں۔ امید ہے کہ آپ میری ان تصریحات کو بے ادبی پر محمول نہ کریں گے۔ آخر میں قبلہ مولانا مدظلہ العالی کی خدمت میں میرا سلام عقیدت پیش کرتے ہوئے میرے لئے دعا کی استدعا کریں میں پہلے بھی بعض مشکلات میں ان کی دعا سے فیض یاب ہو چکا ہوں۔ وہ ایک مرتبہ پھر میرے لئے دعا فرمائیں والسلام بلکہ اکثر کرتے رہیں۔ ممنون ہوں گا۔

برصغیر کی آزادی میں علماء کا سیاسی کردار

جناب عبدالعزیز قریشی صاحب جھنگ صدر

مکرمی و محترمی! لاہور کے روزنامہ امروز کے یوم استقلال ایڈیشن ۸۰ء میں شیخ ابن الکریم ربانی صاحب کا ایک افتراق انگیز مضمون بعنوان "برصغیر کی آزادی میں علمائے اسلام کا سیاسی کردار" چھپا ہے۔ اس مضمون میں

مضمون نگار نے برصغیر کی آزادی میں علمائے اسلام کے کردار کو بری طرح مسخ کر کے اور انتہائی متعصبانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فاضل مضمون نگار کے ذہن میں علما کے خلاف تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ اور مضمون نگار نے برصغیر کی تاریخ کا مطالعہ انتہائی جانب دارانہ طریقے سے کیا ہے۔

غالباً مضمون نگار کا علماء اسلام کے خلاف زور دار مضمون لکھنے کا مقصد یہ کہنا ہے کہ اس وقت کے علماء کو سیاست میں مداخلت نہ کرنی چاہئے تھی۔ انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ نہ لینا چاہئیے لوگوں کو انگریزوں کے خلاف نہیں ابھارنا چاہیئے تھا۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کرنے کی بجائے علماء اسلام کو خانقاہوں اور حجروں میں دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر ساری عمر گزار دینی چاہئے تھی۔ یا مسجدوں میں دو رکعت کا امام بنا چاہیئے تھا۔ اور سیاست کے میدان کی باگ ڈور چند کھلنڈرے انگریزوں کے پروردہ اور مغرب زدہ نام نہاد سیاست دانوں کے ہاتھوں میں رہنی چاہئے تھی جو قوم کو غلط راہ پر ڈال کر تباہی کے کنارے پر کھڑا کر دیں۔

فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ علماء کرام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے کر الٹا مسلمانوں کو ایک طاقتور دشمن کے سپرد کر دیا۔ لیکن غالباً مضمون نگار کو یہ معلوم نہیں کہ جب مسلمانوں پر ایک غیر مسلم قوم ظلم کے پہاڑ توڑنا شروع کر دے تو مسلمانوں پر جہاد فرض ہو جاتا ہے اور اس کے لئے ضروری نہیں کہ اگر مسلمانوں کے پاس خلافت یا سلطنت نہ ہو تو عاجزی اور انکساری سے بلا چون و چرا اس غیر مسلم قوم کی برتری تسلیم کر لی جائے۔ اور ظلم کے خلاف مسلح جدوجہد نہ کی جائے علماء اسلام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کرنے کے نتیجہ کے طور پر صوبہ سرحد کے غیور پٹھانوں نے تقریباً ایک صدی تک انگریزوں سے ٹکر لی اور ایک ایک انچ زمین کی حفاظت کے لئے جرأت و بہادری کی وہ عظیم الشان مثالیں قائم کیں جو رہتی دنیا تک تاریخ کے اوراق پر جگمگاتی رہیں گی۔ انہوں نے ملک کے دوسرے لوگوں کی طرح انگریزوں کے خون ریز پنجوں میں جانے کی بجائے "طاقتور" انگریزوں سے ٹکر لے کر ان کے ایوانِ اقتدار میں زلزلہ پیدا کر دیا۔ صوبہ سرحد کے جیالوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کیا تو کس کے ایماء پر یہ جہاد ہوا؟ یہ صرف علماء کرام ہی تھے اور آج بھی اس کا زندہ ثبوت ہے کہ علماء کرام ہی کی کوششوں کی بدولت اللہ کے فضل سے صوبہ سرحد کے مختلف قبائل و دیہات ملک کے دوسرے صوبوں کے دیہاتوں سے زیادہ اسلام پر عمل پیرا ہیں۔

اگر تاریخ کا غیر جانب داری سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ برصغیر سے انگریزوں کے قدم اکھاڑنے میں علماء کرام کا حصہ بہت ہی زیادہ ہے۔ برصغیر میں سب سے پہلی چلائے جانے والی آزادی کی تحریک کی قیادت بھی ایک جید عالم مولانا عبید اللہ سندھی نے کی تاریخ گواہ ہے کہ سید احمد شہید، شاہ اسمٰعیل شہید، قاسم نانوتوی وغیرہ نے

اسلام کی حمایت میں انگریزوں کا مقابلہ کیا۔ یہ سب علماء اسلام ہی تھے۔ علماء کرام نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دے کر برصغیر کے مسلمانوں کو طاقت ور دشمن کے سپرد نہیں کیا بلکہ اس وقت کے مغرب زدہ نام نہاد بعض راہ نماؤں نے مسلمانوں کو چند ٹکوں کی نوکری دلانے کے لئے اور ان سے انگریزوں کی قدم بوسی کرانے کے لئے برصغیر کے مسلمانوں کو حرام کھانے والی اور اسلام دشمن قوم کے سپرد ضرور کر دیا جس کے بداثرات آج بھی زائل نہیں ہوئے اور انگریزوں کی اس وقت کی قربت کے نتیجہ کے طور پر آج بھی مسلمان اخلاقی لحاظ سے روز بروز کمزور ہوتے جا رہے ہیں۔

آخر میں مضمون نگار نے برصغیر کے مسلمانوں کے قتل عام کی ذمہ داری بھی علماء اسلام پر ڈالنے کی کوشش کی ہے اور بقول مضمون نگار جب ملک کی تقسیم ہو رہی تھی تو اس وقت علماء کرام دشمنوں کی صفوں میں بیٹھ کر مسلمانوں کے قتل عام کا نظارہ دیکھ رہے تھے۔

میں فاضل مضمون نگار سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ قتل عام ان علماء نے کرایا جو ہندوستان کی تقسیم کے مخالف تھے جو یہ چاہتے تھے کہ مسلمان ان ہی علاقوں میں آباد رہیں جہاں وہ رہتے ہوں۔ یا قتل عام کے مجرم وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام کا نعرہ لگا کر برصغیر کے سادہ دل مسلمانوں کو سبز باغ دکھا کر اندھا کر دیا۔ اور مقصد حاصل ہونے کے بعد بھی وہ اسلام نافذ نہ کر سکے۔ بلکہ پاکستان کے عوام کی صحیح قیادت کرنے کی بجائے ان کو اسلام کے منفی راستوں پر ڈال کر گمراہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ پاکستان میں وقتاً فوقتاً قائم ہونے والی حکومتوں نے عوام میں طرح طرح کی بڑھتی ہوئی سماجی برائیاں ختم کرنے کی طرف تو توجہ نہ دی بلکہ ساری قوت علماء اسلام کے خلاف نفرت پھیلانے میں صرف کر دی جس کے نتیجے کے طور پر لوگ علماء اسلام ہی سے نہیں اسلام سے بھی بدظن ہوتے جا رہے ہیں۔

یہ بات درست ہے کہ برصغیر کے بعض علماء نے تقسیم ہند کو درست نہ سمجھتے ہوئے اس کی مخالفت کی۔ لیکن پاکستان کے قیام کے بعد انہوں نے یہ کہہ کر اپنی زبان بند کر لی کہ مسجد کی تعمیر سے پہلے مسجد کی جگہ اور طرز تعمیر کے بارے میں اختلاف کی گنجائش موجود ہوتی ہے۔ لیکن مسجد مکمل ہونے کے بعد اختلاف کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ یہی مثال پاکستان کی ہے اور اب ہم اس کی تعمیر و ترقی کے لئے کوشش کریں گے۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تقسیم ہند کے خلاف تھے وہ پاکستان بننے کے بعد تقریباً ۱۴ برس پاکستان میں زندہ رہے لیکن ایک بار بھی انہوں نے قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ لوگوں سے اس کی تصدیق کرائی جا سکتی ہے۔

بعض علماء نے قیام پاکستان کی مخالفت کی لیکن بعض جید اور فاضل علماء کرام نے مسلم لیگ کا ساتھ دیا۔ اور مشرقی

باقی صفحہ ۶

جامع ملفوظات ماسٹر محمد عمر خان کرتہ

ازارشادات شیخ التفسیر حضرت

پیر طریقت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رح

ملفوظات مولانا عبداللہ بہلوی

فرمایا: میری یہ نصیحت یاد رکھنا اگر کسی جگہ دین اور دنیا کا مقابلہ آجائے تو دین کو غالب کرنا مثلاً مجھے رواج مجبور کرتا ہے مگر شریعت دوسری جگہ لے جانا چاہتی ہے تو شریعت کو غالب کرنا۔

فرمایا: تصوف کا حاصل یہ ہے کہ تیری میری دوئی اور خودی مٹ جائے، دوئی کے معنی خدا کی ذات کے سوا کسی پر نظر واعتماد واعتقاد نہ رہے ے

نہ ہم کسی کے نہ کوئی ہمارا ہم سب اُسی کے وہی ہمارا

اور خودی کے مٹنے کا مقصد اپنی نفسانی خواہشات کو چھوڑ کر خدا مانے۔

فرمایا: تصوف نام ہے تعمیر الظاہر والباطن کا یعنی ظاہر کو آباد کرنے احکام شریعت سے اور باطن کو آباد کرے آداب شریعت سے یا بالفاظ دیگر ظاہر کو آباد کرے اخلاق حمیدہ سے اور باطن کو محبت الٰہی سے دل سے پیوست کرنے کا نام تصوف ہے۔ ظاہراً اگر معاملات، معاشرات، عبادات، سیاسیات، تہذیب اخلاق، تہذیب تمدن احکام شریعت سے آباد نہیں تو باطن ماسوی اللہ سے منقطع ہے۔ جب مجھے میرے مرشد محمد امیر دامانی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت بخشی تو فرمایا توں قلندری بننا! تعجب ہوا، قلندری تو بے دین، بھنگی نشائی ہوتے ہیں۔ فرمایا۔ نہ نہ، جو تجھے گالیاں دے دعا کرنا، جو تجھے تکلیف دے احسان سے پیش آنا۔ د اعف عن ظلمك واحسن اساء الیك۔

فرمایا: حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہر نقل اس کے مطابق ہو جائے اور اتباع سنت اس قدر محبوب ہو جائے کہ جان دینے میں دریغ نہیں، مال دینے میں دریغ نہیں۔ محب کو محبوب کی اطاعت میں خاص لطف اور فرحت نصیب ہوتی ہے۔ غدر کے زمانے میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح بانی دارالعلوم دیوبند کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے۔ آپ اکابر کے مشورے سے چھپ گئے۔ تین دن کے بعد باہر نکل آئے، کسی نے کہا حضرت! آپ چھپ جائیں علماء کو پھانسیوں پر لٹکایا جا رہا ہے، اگر گرفتار ہو گئے تو تحریک ختم ہو جائے گی آپ نے فرمایا "بھائی: حضور کریم صلے اللہ علیہ وسلّم غار ثور میں تین دن چھپے میں بھی

تین دن چھپا اب قاسم کی جان جائے تو جائے مگر یار کی سُنّت میں فرق نہ آئے۔

فرمایا :۔ افعال میں ہو یا اعمال میں عبادات میں ہو یا معاملات میں، ہر کام میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کا خیال کرنا چاہیئے۔ پہلے ہر کام کے کرنے سے پہلے سوچ لیں کہ اس کام میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ مبارک تھا۔ ولایت، خوارق عادات کرامات کے ظہور کا نام نہیں، بلکہ اتباع سنت میں کمال پیدا کرنے کا نام ہے۔

ایک بزرگ نے کسی بزرگ کی شہرت سن کر گئے۔ دیکھا وہ بزرگ کعبہ رُخ آرہے تھے اور کعبہ رُخ تھوک دیا۔ زیارت کرنے والے بزرگ واپس چلے گئے۔ کسی نے عرض کیا حضرت! زیارت کے لیے آئے مصافحہ بھی نہ فرمایا۔ آپ نے فرمایا جس کو تکریم کعبہ حاصل نہیں اس کو اللہ کا کیا ادب ہو گا؟ اسی طرح جس کو سنت کی اتباع حاصل نہیں اس کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی قدر و شان کا کیا علم ؟۔ ایک بزرگ کی خدمت میں خربوزہ لایا گیا۔ انہوں نے کچھ دیر سوچا اور خربوزہ واپس کر دیا۔ فرمایا! بھائی مجھے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارک معلوم نہیں کہ آپؐ نے خربوزہ توڑ کر کھایا یا چاقو سے کاٹ کر کھایا۔

فرمایا :۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے عرض کیا حضرت! مزامیر سے تو محبت بڑھتی ہے، آپ نے فرمایا "میں یہ نہیں کہتا محبت نہیں بڑھتی بلکہ محبت عنداللہ مقبول نہیں بڑھتی۔

فرمایا :۔ حضرت غلام محمد دین پوری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے، مرید کا کمال یہ ہے کہ وہ شیخ کو اپنا عاشق بنا لے۔ وہ تیرے ہدیہ، مُٹھ مروڑوں، تحفے تحائف پیش کرنے سے خوش نہیں ہوں گے بلکہ وہ تیری اتباع سُنّت، کثرتِ ذکر اور ترکِ بدعت سے خوش ہوں گے۔

فرمایا :۔ مدارِ ولایت عمل سنت ہے وگرنہ تو کافر، بے دین، مشرک، بھنگی نشائی، مجاہدہ وغیرہ کر کے سُکر صحو کا مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں اُن کے خوارق عادات کو استدراج کہتے ہیں۔ حضرت مخدوم جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ ایک دن دریا پر دھوپ سخت میں کشتی کا انتظار کر رہے تھے۔ کسی نے عرض کیا حضرت! آپ کا ایک مرید اتنے کمال والا ہے کہ وہ بغیر کشتی کے مصلے رکھ کر دریا پار کر جاتے ہیں آپ کیوں اتنی تکلیف میں ہیں آپ نے فرمایا میں ایسی چیز ظاہر کروں جو استدراج کے مشابہ ہے۔

حضرت لاہوری نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے، ایک شخص آسمان پر سے اڑتا ہوا آئے اور ہزاروں مرید پیچھے لائے، اگر اس کا عقیدہ اور عمل کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہیں ہے تو اس پر نظر بھر کر دیکھنا حرام ہے۔ اگر بیعت ہو گیا ہو تو بیعت کا توڑنا فرضِ عین ہے۔

فرمایا:۔ تصوف میں اصل چیز ہے اہل اللہ کے فیض صحبت کی۔ باتوں سے کام نہیں چلتا۔

؎ قال را بگذار مردِ حال شو　　پیشِ مردِ کامل پائمال شو

یعنی باتونی نہ بن حال والا بن، اگر حال والا بننا چاہتے ہو تو کسی کامل کے پاس پائمال ہونا پڑے گا۔

؎ گر تو سنگِ خارہ مرمر شوی　　چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

اگر سخت پتھر کی طرح غیر کارآمد ہی کیوں نہیں، کسی صاحب دل کے پاس جائے گا تو پارس بن جائے گا۔

؎ پیش رہبر ذلیل ہو جاؤ　　تیغ بے دلیل ہو جاؤ

پھر تو سچ مچ جمیل ہو جاؤ　　یعنی اللہ کے خلیل ہو جاؤ

فرمایا:۔ اگر ذکر میں انوار نظر نہیں آرہے تو پھر بھی شکر کر کہ خدا تعالے نے تجھے بندگی میں تو لگا دیا ہے ؎

رو شکر کن در کار خرت بداشت　　نہ چوں دیگرانت معطل گذاشت

اگر وہ یہ فرما دیتے کہ نکل! میں تجھے اپنے دربار میں آنے کی توفیق ہی نہیں دیتا پھر کیا کر سکتے۔

؎ بندگی چوں گدایاں بشرطِ مزد مکن　　کہ خواجہ روشِ بندہ پروری داند

کوئی چیز حاصل نہیں ہو رہی تو پھر بھی اُس کریم ذات کا شکر کر کہ رب اللہ تعالے کو ایسے ہی منظور ہو گا۔ سردار کو غلام کو پالنے کا طریقہ آتا ہے۔

؎ از خُدا جز خدا چیزِ مخواہ　　خدایا از تو ترا خواہم

خدا سے خدا کے سوا کوئی چیز نہ مانگ بس یہی مانگ کہ اے اللہ! میں تجھ کو تجھ ہی سے طلب کرتا ہوں۔

؎ از خدا غیر خدا را خواستن　　ظن فزوں نیست کلی خواستن

خدا کا نام دوسری چیزوں کے حصول کے لیے نہ لے بندہ خدا کا نام اس لیے لے کہ خدا تعالے مجھ پر راضی ہو جائے۔ ذکر میں وساوس کا دھیان نہ کر، کتا بھونکتا رہے توں بھیک مانگتے رہ۔ کبھی توں نے دیکھا ہے کہ کتے کے بھونکنے سے فقیر نے خیرات مانگنی چھوڑ دی ہو۔ توں اللہ اللہ کر، شیطان جو کچھ وسوسے ڈالتا رہے، توں رب کو خوش کرتا رہے، تیرا کام ہے یار کے کوچہ میں قدم رکھنا قبول کرنا مالک کا کام ہے۔

ہمارے ذکر کا مقصد تو یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام بک رہے تھے، ایک بڑھیا کو راستہ میں کسی نے دیکھا۔ پوچھا کہاں جا رہی ہو؟ کہنے لگی یوسفؑ کو خریدنے۔ پوچھا کیا اسباب لے کر جا رہی ہو؟ جواب دیا یہ کپاس کی اٹی لے کر جا رہی ہوں۔ اُس پوچھنے والے نے جواب دیا۔ اللہ کی بندی! وہاں تو بڑے

آدمیوں کا کام ہے۔ تیری کپاس کی اس چھوٹی سی اٹی کو کون پوچھے گا؟ کہنے لگی یہ تو مجھے بھی معلوم ہے لیکن دن قیامت کے یوسفؑ کے خریداروں میں تو شمار ہو جاؤں گی۔

ہمینم بس کہ داند ماہ رویم   کہ من نیز از خریداران اویم

ہمارا یار جان لے کہ میں بھی اُس کے خریداروں میں شامل تھی۔

فرمایا:۔ طالب کی طلب صحیح سے خدا ملتا ہے۔ ایک بزرگ رو رہے تھے، کسی نے کہا حضرت! بہت نہ روئیں آنکھیں خراب ہو جائیں گی۔ فرمانے لگے اگر آنکھوں کے بدلے یار ملتا ہے تو یہ آنکھیں چلی جائیں یار مل جائے وگرنہ یہ آنکھیں یار کے سوا کسی غیر کو تو نہ دیکھیں۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید   یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

یعنی طلب خدا سے ہاتھ نہ چھوڑوں گا یا جان جائے یا یار مل جائے۔

فرمایا:۔ اگر طلب خدا میں جان چلی جائے پھر بھی سستا سودا ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی   حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

مجنوں نے لیلےٰ کے فراق میں جان دے دی۔ کیا اللہ تعالےٰ کی طلب لیلےٰ کی طلب سے کم ہے؟

فراق و وصل چہ باشد رضائے دوست   کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے

شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کوئی شخص آکر شکایت کرتا کہ حضرت ذکر تو کر رہا ہوں مگر فائدہ معلوم نہیں ہوتا۔ فرماتے! ارے کیا یہ کم بات ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنا نام مبارک لینے کی توفیق تو دے رہا ہے۔ پھر یہ شعر پڑھتے تھے

یابم اورا نیابم جستجوئے می کنم   حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

حضرت حاجی صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے جب کوئی شخص ایک دفعہ زبان سے یا دل سے اللہ کہتا ہے اوپر سے منظوری آتی ہے تب دوسری دفعہ اللہ کے مبارک نام کہنے کی توفیق دی جاتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ایک دفعہ جنگل بیاباں میں چاندنی رات کے وقت باہر نکلے اُوپر کو منہ کر کے عرض کیا۔ سائیں! تیری شاہی بڑی مگر یاد کرنے والے تھوڑے؟ ہاتف۔ غیب سے آواز آئی بایزید! بادشاہ اپنے دربار میں ہر کسی کو آنے کی اجازت نہیں دیا کرتے۔

فرمایا:۔ اصل چیز ہے اہل اللہ کے فیض صحبت کی، جس قدر مرشد کامل سے محبت کا رابطہ بڑھتا جائے گا مرید دُور رہ کر بھی شیخ کے فیض سے فیضیاب ہوتا رہے گا اور بے محبت آدمی مُرشد کے فرمانِ شرعی کی تعمیل نہ کرنے والا گو قریب ہے مگر بے نصیب ہے۔ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ قاضی

احسان احمد شجاع آبادی کی مسجد میں تشریف لائے۔ فرمارہے تھے: اے شجاع آباد والو! تم لوگوں کو اللہ والوں کی حقیقت کا کیا معلوم؟ ان کی جوتیوں کے ذرّوں سے وہ موتی ملتے ہیں جو بادشاہوں کے تاجوں میں بھی نہیں ملتے۔ ہم نے اللہ والوں کے جوتوں کی مٹی کو ذروں کو سرمہ بنایا تو ہمیں یہاں تک پہنچنا نصیب ہوا۔

حضرت انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے جب دورۂ حدیث کا ختم فرمایا تو فرمایا لاکھ دفعہ بخاری شریف پڑھو جب تک کسی اللہ والے کے جوتے نہ اٹھاؤ گے کچھ نہیں ملے گا کسی نے سچ فرمایا ہے

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا علم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

امام احمد بن حنبلؒ جو امت کے امام تھے چھ لاکھ احادیث کے حافظ تھے۔ کبھی کبھی بشر حافی کی خدمت میں جایا کرتے تھے۔ کسی نے پوچھا حضرت! آپ اتنے بڑے عالم ہو کر اس گودڑی پوش کے پاس کیوں جایا کرتے ہیں؟ فرمایا مجھے ان کی خدمت سے ایسی باتیں ملتی ہیں جو ہماری کتابوں میں بھی نہیں ملتیں۔

فرمایا:۔ صحبت کی فضیلت مقامِ صحابہؓ ہے۔ جس قدر جس صحابی کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت زیادہ نصیب ہوئی وہ صحابہ میں زیادہ مقام کا مالک بنا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات سے ثابت ہے کہ حضرت خواجہ اویس قرنیؒ باطنی قرب اور محبت کے باوجود محض اس لیے صحابہ میں سے ادنےٰ فرد کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتے کہ وہ بدنی قرب نہیں رکھتے تھے۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو حاصل تھی۔ اسی لیے صحبت کے برابر کوئی چیز نہیں۔ ہر چیز اپنی دکانوں سے ملتی ہے۔ کپڑا کپڑے والے کی دکان سے، حکمت حکیم سے، علم مدرسہ سے، مگر علم کے مصداق رنگ چڑھانا ہو تو وہ اللہ والوں کے سامنے عقیدت، ادب، اطاعت کے ساتھ نصیب ہوتا ہے۔

فرمایا:۔ درد دل پیدا کرو۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسانوں کو ورنہ اطاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

کیا بندگی کے لیے فرشتے تھوڑے تھے؟ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بزرگ تشریف لائے فرمایا "سعدیؒ! بیا ترا قطبی دہم" اے سعدیؒ میں تمہیں قطب بنا دوں۔ شیخ سعدی بھی آخر شیخ سعدی تھے عرض کیا "اے شیخ مرا قطبی در کار نیست" مجھے قطب بننے کی ضرورت نہیں "اگر خواہی دادن چیزے مرا درد دل دہ" اگر مجھے کچھ دینا چاہتے ہو تو درد دل والا بنا دیں۔ شیخ نے فرمایا "ایں کار برائے مدت در کار است" اس کام کے لیے مدت درکار ہے۔

فرمایا:۔ جتنے قدر درد تبلیغ دین و درد تبلیغ اتباع سنت و درد تبلیغ توحید زیادہ ہوگا اتنے قدر تیرا مراد رجہ اللہ کے نزدیک زیادہ ہوگا۔ بس یہی خیال ہو یہ سارا محلہ بلکہ یہ سارا ضلع ہی نہیں یہ سارا ملک میرے یار کا بن جائے مگر

بھائی! میں سچ کہتا ہوں ہمیں اپنی اصلاح کا درد نہیں، خلقت کی اصلاح کا درد کیسے پیدا ہوگا! کسی کو تبلیغ کریں بڑی نیاز کے ساتھ کریں انشاءاللہ ضرور نافع ثابت ہوگی۔ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغی جماعت کسی بڑے آدمی کو تبلیغ کرنے گئے وہ کسی آدمی سے بات کر رہا تھا۔ آپ نے فرمایا بھائی! دو منٹ میری بات سُن لیں۔ اُس نے حضرتؒ کو اہانت آمیز الفاظ کہے ایک لات ماری آپ کمزور اور نحیف آدمی تھے ایک گہرے کھڈ میں جاکر گرے۔ آپ اٹھے اپنی پگڑی مبارک اس کے پاؤں پر رکھ دی کہ بھائی! ذرا دیر بات سن لیں اُسکے دل پر حضرت کی نیاز کا اس قدر اثر پڑا کہ اس نے بات سنی۔ آپ نے تبلیغی جماعت کے اصول بیان کئے اور جماعت میں نکلنے کے لیے وقت مانگا۔ اس نے وقت دیا۔ بعد میں اس کی وجہ سے تین سو خاندانوں کو ہدایت نصیب ہوئی۔

امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ مدرسہ خیر المدارس جالندھر تشریف لے گئے ایک بھنگی جو مذہباً عیسائی تھا مدرسہ میں جھاڑو دے رہا تھا کھانے کا وقت تھا آپ نے اسے فرمایا بھائی آؤ میرے ساتھ کھانا کھا لو وہ تو احساسِ کمتری کی وجہ سے شرمندہ ہوا۔ آپ نے اُٹھ کر اسکا ہاتھ پکڑ کر کھانے میں شریک کر دیا۔ وہ کھانے سے فارغ ہو کر گھر گیا اپنی بیوی کو حال سُنایا کہ آج مسلمانوں کے ایک بڑے راہنما نے میرے ساتھ اسقدر شفقت فرمائی ہے۔ اسکی بیوی نے کہا اگر مسلمانوں کے رہنماؤں کا یہ حال ہے اور اسلام کی یہی تعلیم ہے تو ہم مسلمان ہوتے ہیں۔ شام کو وہ اپنے بیوی بچوں خویش و اقارب کو ساتھ لاکر امیر شریعتؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔

فرمایا:- ہمارے تمام علوم کی تحصیل اور سلوک سیکھنے کا حاصل محض یہی ہے کہ ہم اپنے متعلق یہ جان لیں کہ دِن قیامت کے جوتے نہ لگیں اور ہر شخص اپنے متعلق فکرمند رہے کہ پتہ نہیں آخرت کے بازار کس بھاؤ بکیں گے۔

حضرت شیخؒ ہر نووارد شخص سے بڑی نیاز اور عجز سے فرمایا کرتے تھے "میرے حسنِ خاتمہ کی دُعا کرنا"۔

بندہ آخری بار حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ طویل علالت کی وجہ سے صاحبِ فراش تھے، تیمار دار متعلقین تقریباً ساٹھ ستر مہمان پردہ کرا کر حاضر ہوئے آپ نے فرمایا مجھے اٹھاؤ۔ تکیہ کے سہارے پر بٹھایا گیا تو فرمایا:

"تبلیغ توحید و اتباع سنت اور ذکر کی ہمت کرنا۔ قرآن کی خدمت کو اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھنا مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو (رو کر فرمایا) مجھے بھولا ہوا سمجھ کر خدا تعالےٰ سے میرے حسن خاتمہ کی دُعا کرتے رہنا اور میرے بچوں کی ہدایت کی دُعا کرنا، اگر کبھی ہو سکے تو میری قبر پہ آ نکلنا" ان الفاظ کو اس طریق پر بیان فرمایا کہ حاضرین آبدیدہ ہو گئے۔

از جناب اختر راہی

ماہر القادری مرحوم

علم حدیث

مؤلف: مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی

ناشر: کتب خانہ شانِ اسلام۔ اردو بازار۔ راحت مارکیٹ لاہور۔ صفحات ۲۳۸۔ قیمت ۔/۱۵ روپے

عہدِ غلامی میں دینی سطح پر جو فتنے برپا ہوئے ان میں سے ایک انکارِ حدیث کا فتنہ ہے۔ سرے سے احادیثِ نبوی کی حجیت سے انکار کر دیا گیا۔ سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء نے اپنی دینی تحریروں میں یہی رویہ اختیار کیا۔ ان جدیدیت پسند اہلِ قلم کے ساتھ بعض پرانے انداز کے افراد بھی اس غلطی میں مبتلا ہو گئے کہ حدیث کی ضرورت نہیں۔ مولوی عبد اللہ چکڑالوی اور مولوی احمد دین امرتسری اسی قبیل کے لوگوں میں شامل تھے۔

علمائے حق نے ان لوگوں کی باطل تاویلات اور غلط نقطۂ نظر پر تنقید کی۔ اور امت کو اسلاف کی راہ پر قائم رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔

۱۹۵۰ اور ۱۹۶۰ء کے درمیانی عرصہ میں "حجیتِ حدیث" کے موضوع پر سب سے زیادہ لکھا گیا۔ اسی دور میں مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی مرحوم نے فنِ حدیث، ضرورتِ حدیث، تاریخِ حدیث اور راویانِ حدیث پر مضامین لکھے۔ ان مضامین کو جناب مؤلف مرحوم کے صاحبزادے ساجد الرحمان صدیقی صاحب نے یکجا کیا ہے۔

مولانا اشفاق الرحمٰن مرحوم ذخیرۂ حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے جامع ترمذی کی مبسوط شرح "الطیب الشذی" کے نام سے لکھی جس کا کچھ حصہ اشاعت پذیر ہوا ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں بھی ان کے تبحرِ علمی کی جھلک محسوس ہوتی ہے۔

قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ پر ایک تبصرہ

جناب ماہر القادری مرحوم کے قلم سے شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ کی کتاب قومی اسمبلی میں اسلام کا معرکہ پر مفصل تبصرہ کا کچھ حصہ پیشِ خدمت ہے۔ مرحوم کے حقیقت شناس تبصروں میں غالباً یہ آخری تبصرہ ہے جو ان کے وصال

کے بعد فاران ماہ مئی ۸۰ء میں شائع ہوا۔

"مسٹر بھٹو کے دورِ حکومت میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے مولانا موصوف نے اسمبلی میں جس جرأت و بے باکی حق گوئی اور ذہانت و بصیرت کے ساتھ تقریروں اور قراردادوں کے ذریعہ اسلام کی نمائندگی کی یہ کتاب اس کی تفصیل پیش کرتی ہے

آگے اقتباسات

اس کتاب کے پڑھنے سے یہ بات اور واضح ہوگئی کہ بھٹو کے دورِ حکومت کی مرکزی اسمبلی میں اکثریت پیپلز پارٹی کے ارکان کی تھی اس لئے ان لوگوں کے سامنے نہ حق تھا اور نہ صداقت۔ یہ تو بھٹو صاحب کے حاشیہ دار تھے۔ اور وہاں جو حکم ملتا تھا اس کے مطابق اسمبلی میں رائے دیتے تھے غضب خدا کا سودی نظام کے خاتمہ کی قرارداد و قومی اسمبلی میں بھٹو صاحب کے ہوا خواہوں نے مسترد کردی۔ بھٹو صاحب کے اشارے پر دستور کی جس دفعہ میں چاہا ترمیم و اضافہ کردیا اس طرح بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ نیشنل اسمبلی بھٹو صاحب کی خانہ زاد کنیز بن کر رہ گئی تھی۔ حزب مخالف کی ہر معقول قرارداد اور تجویز کثرت آرا سے مسترد کردی جاتی۔

یہ کتاب قومی اسمبلی میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کی دینی غیرت، جذبہ ملی۔ ایمانی جرأت اور حق پسندی کی آئینہ دار ہے ۔

افکار و تاثرات

اور مغربی پاکستان میں سرکاری طور پر سب سے پہلے پاکستانی جھنڈا لہرانے کا اعزاز بھی علماء اسلام ہی کو حاصل ہے۔ مسلم لیگ کا ساتھ دینے والوں میں مشہور عالم مولانا شبیر احمد عثمانی سرفہرست ہیں۔

ان حالات اور واقعات کے باوجود مضمون نگار شیخ ابن الکریم ربانی صاحب برصغیر کے علمائے کرام کے عظیم سیاسی کردار کو مسخ کرکے کیوں پیش کر رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں کوئی اسلام دشمن جماعت کام کر رہی ہے جو پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی راہ میں روڑے اٹکانا چاہتی ہے اور یہ سعی لاحاصل اس وقت کی جا رہی ہے جب کہ حکومت پاکستان تندہی سے نظام مصطفےٰ کے نفاذ کے لئے کوشاں ہے۔

میں حکومت پاکستان سے مطالبہ کرتا ہوں کہ ایسے مضمون لکھنے اور چھاپنے کی ممانعت ہونی چاہیئے جن میں مسلمانوں کے درمیان چپقلش اور رنجش پیدا کرنے کی کوشش کی جائے ۔

- ۱۰ر شوال سے نیا تعلیمی سال شروع ہوچکا ہے طلبہ کی بہت بڑی تعداد آغاز داخلہ میں پہونچ گئی۔ اب داخلہ مکمل ہوچکا ہے ایک نئے جید استاذ کی تقرری بھی کی گئی ہے، طلبہ کی حسب معمول کثرت ہے اور ایک بڑی تعداد قیام و طعام کے نظم نہ ہوسکنے کی وجہ سے بافسوس واپس کردی گئی ہے صرف دورہ حدیث کے طلبہ سو سوا سو سے متجاوز ہوچکے ہیں ۸ر ستمبر کو دار الحدیث ہال میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے نئے تعلیمی سال کا آغاز فرمایا۔

طلبہ کی رہائش کے مسئلہ پر قابو پانے کے لئے جدید دار الاقامہ جسمیں مزید پچاس طلبہ کی گنجائش نکل آسکی ہے بحمد اللہ مکمل ہوچکا ہے اس دار الاقامہ کا نام احاطہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ ہوگا۔ اب اس کے دوسرے حصے کی تعمیر کا پروگرام ہے، جسکی سنگ بنیاد پچھلے ماہ مولانا ابو الحسن علی ندوی نے رکھا ہے اور اپنی تکمیل کیلئے فضل خداوندی اور اہل خیر کے توجہ کا منتظر ہے۔

- ۱۲ر اگست ایک سفر کے دوران ایڈیٹر الحق مولانا سمیع الحق صاحب دین پور شریف میں حضرت دین پوریؒ (جن کا اب وصال ہوچکا ہے) کی زیارت کی خانقاہ دیکھی اس کے بعد آپ نے خانپور میں مولانا درخواستی مدظلہ سے بھی ملاقات کی اور اسی دن عشاء کی نماز پاکپتن شریف میں ادا کی جہاں آپ نے حضرت شکر گنج قدس سرہٗ کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔

- ۲۵ر اگست وفاقی وزیر بلدیات و دیہی ترقی جناب خان محمد زمان خان اچکزئی اسلام آباد سے اکوڑہ خٹک تشریف لائے اور گھر پر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ملاقات کی۔

- ۴ر ستمبر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے بوجہ ضعف و علالت عید الفطر کے موقع پر مختصر خطاب فرمایا ان سے قبل مولانا سمیع الحق صاحب نے پہلی بار عیدگاہ میں تقریر کی واضح رہے کہ یہ عید کی واحد نماز ہوتی ہے جسمیں پورے شہر کے لوگ شرکت کرتے ہیں اور نماز سے قبل حضرت شیخ کی مفصل تقریر ہوا کرتی ہے۔

- ۶ر ستمبر امیر جمعیۃ العلماء اسلام حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی مدظلہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ سے ملنے اور عیادت کرنے اکوڑہ تشریف لائے گھنٹہ بھر دونوں حضرات کی ملاقات رہی اس کے بعد معتقدین کے ایک بڑے مجمع سے درخواستی مدظلہ نے شیخ الحدیث صاحب کی مسجد میں پرسوز اور پرحکمت خطاب فرمایا خطاب کے دوران حضرت دینپوری مرحوم کی تذکرہ اظہار تعزیت کیا گیا اور تمام حاضرین نے مرحوم کے رفع درجات کی دعا کی۔
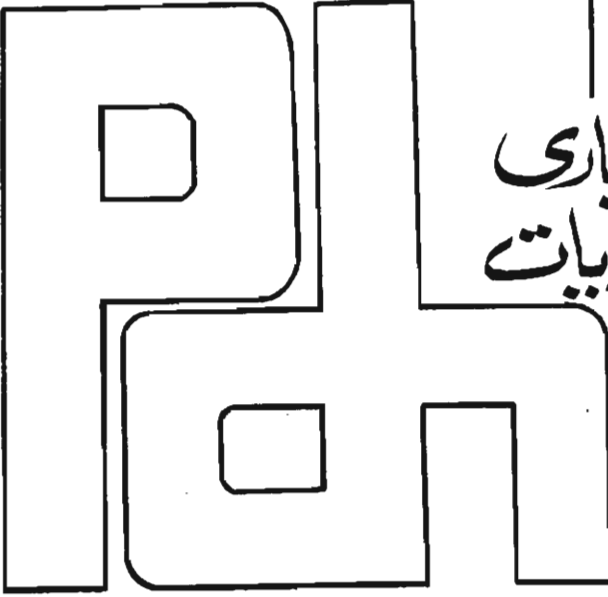
معیاری
ادویات
کا
نامور
ادارہ
خدمت ، دیانت ، اور سروس
میں
پیش پیش
معیاری نشان
Ph
ادویات خریدتے وقت یاد رکھیں
پنجاب ڈرگ ہاؤس نکلسن روڈ لاہور
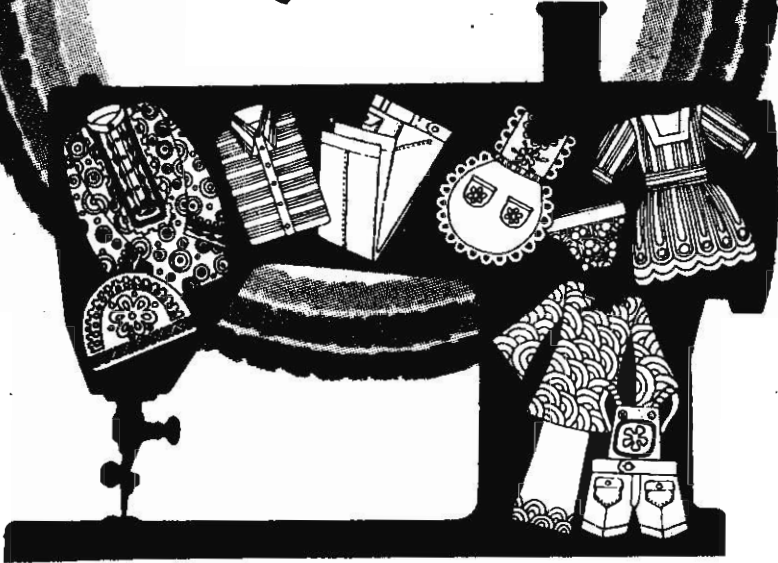
manhattan PAKISTAN

دلکش
دلنشیں
دلفریب
حسین کے پارچہ جات
FABRICS
خوش پوشی کے پیش رو
حسین ٹیکسٹائل ملز
حسین انڈسٹریز لمیٹڈ کراچی
کا ایک ڈویژن

SOHRAB
پاکستان کا
نمبر
1
بائیسکل
سہراب